ردِ شیعہ ۔ منتخب از رسائل

☆ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوئی صحیفہ نہیں جلایا............ ۲

☆ علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور حالتِ رکوع میں صدقہ ۶

☆ علی رضی اللہ عنہ اور سورج کی واپسی............ ۱۶

☆ حسن بصری رحمہ اللہ کا علی رضی اللہ عنہ سے عدم سماع کی تحقیق............ ۱۹

☆ عبداللہ بن سباء کون تھا؟............ ۲۷

☆ اہل بیت میں ازواج مطہرات شامل ہیں............ ۳۳

☆ خلافتِ راشدہ کے تیس سال............ ۳۴

☆ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا موقف............ ۴۱

☆ متعہ النساء حرام ہے............ ۴۴

☆ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح............ ۴۹

☆ ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ پر بہتان کا رد............ ۵۶

☆ شیعیت کا مقدمہ اور جھوٹی روایات............ ۶۱

محمد زبیر صادق آبادی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوئی صحیفہ نہیں جلایا تھا

قارئین کرام! ہوسکتا ہے کہ آپ نے بھی تبلیغی جماعت والوں سے یہ سنا ہو کہ ہر ایک کو حدیث نہیں بیان کرنی چاہئے، کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سو احادیث کا ایک صحیفہ تھا جو انھوں نے احتیاط کی وجہ سے جلا دیا تھا۔ اس بات کا تبلیغی جماعت والوں کو فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے خلاف حدیث بیان کرنے والا ڈر جائے کہ کہاں میں اور کہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ؟ جب وہ اتنی احتیاط کرتے تھے تو مجھے بھی خاموش رہنا چاہئے، تو پھر تبلیغی جماعت والوں کو جھوٹے اور شرکیہ قصے سنانے کا خوب موقع مل جاتا ہے۔ دراصل یہ سبق انھیں ان کے شیخ الحدیث زکریا کاندھلوی نے پڑھایا ہے:

چنانچہ محمد زکریا کاندھلوی تبلیغی نے لکھا ہے:

"(۲) حضرت ابوبکرؓ صدیق کا مجموعہ کو جلا دینا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے پانسو احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں۔ کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے. غرض تمام رات اسی بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں. اُٹھالا. میں لے کر آئی. آپ نے ان کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور یہ میرے پاس ہوں ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہوئے۔

ف حضرت ابوبکرؓ صدیق کا یہ تو علمی کمال اور شغف تھا کہ اُنہوں نے پانسو احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث

کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو ممبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔"

(فضائل اعمال ص۱۰۰ کتب خانہ فیضی لاہور پاکستان، ج تذکرۃ الحفاظ)

قارئین کرام! یہی حکایت سرفراز صفدر دیوبندی کے بقول کسی منکرِ حدیث برق صاحب نے اپنی کتاب میں لکھی تھی۔ اس کے بعد کی کہانی سنیے سرفراز صفدر کی زبانی:

سرفراز صفدر نے لکھا ہے:

"ہمارے خیال میں یہ کسی طرح قرین انصاف نہیں کہ ہم برق صاحب کی دیگر علمی تاریخی اور تنقیدی تحقیق و تدقیق سے آپ کی ضیافت طبع کا سامان نہ کریں اگرچہ جو گوہر افشانی انہوں نے دو اسلام میں کی ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم سب کچھ عرض کرنے سے تو یقیناً قاصر ہیں۔ لیکن مشہور ہے کہ مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ۔ (یعنی اگر سب کچھ نہ ہو سکے تو سب کچھ چھوڑا بھی نہیں جا سکتا) اس لیے ہم چند نمونے عرض کر دیتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

حوالہ نقل کرنے میں خیانت کرنا۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا ہوا تھا (ظاہر ہے کہ حضرت صدیق کے مجموعے سے زیادہ قابل اعتماد اور کون سا مجموعہ ہو سکتا تھا) لیکن ایک صبح اُٹھ کر اُسے جلا دیا (انتھی بلفظہٖ دو اسلام طبع اوّل ص۴۲ و ص۵۱ طبع ششم)

جواب: اولاً۔ اس جگہ بھی برق صاحب نے خیانت کا ثبوت دیا ہے۔ اس روایت کے نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ فھذا لا یصح (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۵)

یہ روایت صحیح نہیں ہے اور تذکرہ کے بعض مطبوعہ نسخوں میں فھذا لا یصلح ہے یعنی یہ روایت استدلال کے لئے صلاحیت نہیں رکھتی، چونکہ علامہ ذہبیؒ کا روایت مذکورہ کے متعلق فیصلہ مخالف پڑتا تھا۔ اس لیے برق صاحب نے اس کو نقل کرنے کی تکلیف نہ فرمائی تاکہ قلعی

نہ کھل جائے۔

وثانیاً۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے واقعی ایسا کیا ہوتا اور ان کے نزدیک احادیث حجت نہ ہوتیں تو وہ ایک حدیث بھی بیان نہ کرتے حالانکہ ان سے متعدد حدیثیں مروی ہیں۔ اگر ان کی دیگر احادیث سے قطع نظر کر کے صرف یہی پیش نظر رکھا جائے کہ وراثت جدہ کے متعلق ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا کہ کسی کو حدیث معلوم ہے تو بتلایئے محمدؓ بن مسلمہ اور مغیرہؓ بن شعبہ نے حدیث بیان کی۔ اور صدیقؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال متروکہ میں قانون وراثت کے جاری نہ ہونے پر روایت اور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث پیش کی اور صحابہ کرامؓ نے اس سے اتفاق کیا تھا (بخاری ج۲ص ۹۹۵ وغیرہ) کیا اس سے حدیث رسولؐ کا واجب العمل ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ اثبات حجیتِ حدیث کے لیے نہ تھا تو برقؔ صاحب ہی انصاف سے فرمائیں کہ کس لیے تھا؟

وثالثاً۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحرین کا عامل بنا کر روانہ کیا تو زکوٰۃ کے نصاب کے متعلق وہ پوری تفصیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اخذ کی تھی مجھے لکھ کر دی۔ بخاری ج۱ص ۱۹۵ وغیرہ میں وہ پوری روایت موجود ہے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک حدیث حجت نہ ہوتی اور اس کا لکھنا گناہ ہوتا تو اپنے گورنر کو حدیثِ رسول کبھی لکھ کر نہ دیتے افسوس ہے کہ منکرینِ حدیث ایسی احادیث سے آنکھیں بند کر کے نہایت کمزور اور غیر صحیح روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

ورابعاً۔ تذکرۃ الحفاظ کی روایت نہایت ضعیف اور کمزور ہے ایک تو اس میں علی بن صالح مدنی ہے جو مجہول ہے۔ (تقریب ص۲۷۲) اور دوسرا راوی اس کڑی کا موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں فیہ نظر (میزان ج۳ص ۲۱۳) محدثینؒ کے نزدیک اس میں کلام ہے اور علامہ سیوطیؒ تصریح کرتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ فیہ نظر اور سکتوا عنہ کہتے ہیں محدثین کرامؒ کے ہاں اس کی روایت بالکل

متروک ہوتی ہے (تدریب الراوی ص ۲۳۵ طبع مصر) " (صرف ایک اسلام ص ۱۹۲ تا ۱۹۴)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی کے مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی طرح محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی تبلیغی نے بھی خیانت سے کام لیا اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے فیصلے کو نقل نہیں کیا۔ ثابت ہوا کہ نام نہاد قسم کے شیخ الحدیث بنے یا بنائے ہوئے لوگ منکرینِ حدیث کی راہ پر گامزن ہو کر کس طرح خیانتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان لوگوں کی چالوں سے محفوظ فرمائے۔

تنبیہ: زکریا تبلیغی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق میں فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر غلام جیلانی نے اپنی ایسی باتوں سے رجوع کر لیا تھا۔ دیکھئے الشریعہ خصوصی اشاعت (ص ۲۵۱) اور زکریا تبلیغی کا مذکورہ حکایت سے رجوع کرنا ثابت نہیں۔

[فائدہ: روایتِ مذکورہ کو حافظ ذہبی نے حاکم کے حوالے سے اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے: " حدثني بكر بن محمد الصيرفي بمرو: أنا محمد بن موسى البربري أنا مفضل بن غسان أنا علي بن صالح أنا موسى بن عبد الله بن حسن بن حسن عن إبراهيم بن عمر بن عبيد الله التيمي : حدثني القاسم بن محمد قالت عائشة ... " (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵)

اس کا راوی محمد بن موسیٰ بن حماد البربری مشہور اخباری علامہ تھا، لیکن روایت میں اُس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں، بلکہ امام دارقطنی نے فرمایا: "ليس بالقوي " وہ القوی نہیں ہے۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۲۱)

ابن کثیر نے ایک دوسری سند ذکر کی ہے، جس میں احوص بن مفضل بن غسان نے البربری کی ایسی مخالفت کی ہے کہ اس سند کا متصل ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ (دیکھئے کنز العمال ۱۰/ ۲۸۵)

دوسرے راوی علی بن صالح کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے مسند الصدیق میں فرمایا: " و علي بن صالح لا يعرف " اور علی بن صالح پہچانا نہیں جاتا، یعنی معروف نہیں ہے۔ (کنز العمال ۱۰/ ۲۸۶ ح ۲۹۴۶۰)

حافظ ابن کثیر نے حاکم نیشاپوری کی اس روایت کو " هذا غريب من هذا الوجه جدًا " یہ اس کی سند سے بہت زیادہ غریب (اوپری روایت) ہے، قرار دیا۔ (ایضاً ص ۲۸۶)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے علی بن صالح المدنی یعنی راویٔ مذکور کے بارے میں فرمایا:

" مستور " یعنی مجہول الحال ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۷۵۲)

اس کے تیسرے راوی موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن العلوی کو امام یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا، لیکن بخاری، عقیلی اور ذہبی نے مجروح قرار دیا، یعنی وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

اس کا چوتھا راوی ابراہیم بن عمر بن عبیداللہ التیمی ہے جس کی توثیق نامعلوم ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت ظلمات کا پلندا ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔/ ز ع]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور حالتِ رکوع میں صدقہ؟

سوال آیت کریمہ: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ القرآن (المائدہ:۵۵)

بے شک تمھارا ولی (مددگار، دوست) اللہ اور اس کا رسول ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔/ کے شانِ نزول میں بیشتر محدثین نے یہ حدیث مبارکہ بیان کی ہے:

عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ یقول: وقف علی عليّ بن أبي طالب سائل وهو راكع في تطوع فنزع خاتمه فأعطاه السائلَ، فأتى رسول الله ﷺ فأعلمه ذلك، فنزلت على النبي ﷺ هذه الآية: " انما وليكم الله رسوله والذين امنوا الذين يقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكاة وهم راكعون، فقرأها رسول الله ثم قال: من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم اوالِ من والاه و عادِ من عاداه.

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔ آپ نماز میں حالتِ رکوع میں تھے۔ آپ نے اپنی انگوٹھی کھینچی، پھر سائل کو عطا فرما دی۔ حضرت علی رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس کی خبر دی۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ آپ نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا: ''جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی مولیٰ ہے، اے اللہ! جو اسے دوست رکھے تُو اسے دوست رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تُو اُس سے عداوت رکھ۔''

(۱) طبرانی، المعجم الاوسط ۷:۱۲۹، ۱۳۰، رقم ۶۲۲۸۔ (۲) احمد بن حنبل، المسند ۱:۱۱۹۔
(۳) احمد بن حنبل، المسند ۴:۳۷۲ (۴) حاکم، المستدرک ۳:۱۱۹، ۳۷۱، رقم حدیث:

۴۵۷۶، ۵۵۹۴۔(۵) طبرانی، المعجم الکبیر۴: ۱۷۴، رقم ۴۰۵۳۔ (۶) طبرانی، المعجم الکبیر ۵: ۱۹۵، ۲۰۳، ۲۰۴، رقم: ۵۰۶۸، ۵۰۶۹، ۵۰۹۷۔(۷) طبرانی، المعجم الصغیر۱: ۶۵۔

(۸) ہیثمی، مجمع الزوائد ۷: ۱۷۔ (۹) ہیثمی، موارد الظمآن: ۵۴۴، رقم ۲۲۰۵۔

(۱۰) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ۷: ۳۷۷۔

(۱۱) ابن اثیر، اسد الغابۃ ۳: ۴۸۷۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ ۲: ۳۶۲۔

(۱۲) ضیاء مقدسی، الاحادیث المختارۃ ۲: ۱۰۶، ۱۷۴، رقم ۴۸۰، ۵۵۳۔

(۱۳) حسام الدین ہندی، کنز العمال ۱۱: ۳۳۲۔ ۳۳۳، رقم: ۳۱۶۶۲۔ ج ۱۳ ص ۱۰۴، ۱۶۹، رقم: ۳۶۳۴۰، ۳۶۵۱۱۔

روایت مذکورہ وآیت کریمہ کی مکمل تخریج (درکار ہے) اور آلِ شیعہ اس سے علی رضی اللہ عنہ کی ولایت مراد لے کر خلافت بلافصل علی کی ثابت کرتے ہیں۔

رسالہ الحدیث میں اس کا جواب دیجئے۔ (سید امیر شاہ بخاری، صوابی)

الجواب آپ نے جن روایات کے تیرہ (۱۳) حوالے دیئے ہیں، ان کی مختصر اور جامع تحقیق درج ذیل ہے:

۱) امام طبرانی کی کتاب المعجم الاوسط میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''حدثنا محمد بن علي الصائغ قال: حدثنا خالد بن يزيد العمري قال: حدثنا إسحاق بن عبد الله بن محمد بن علي بن حسين عن الحسن بن زيد عن أبيه زيد بن الحسن عن جده قال: سمعت عمار بن ياسر يقول:''

(۱۲۹/۷۔ ۱۳۰ ح ۶۲۳۸)

اسے ابن مردویہ نے بھی خالد بن یزید العمری کی سند سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''**و في إسناده خالد بن يزيد العمري وهو متروك**''

اور اس (ابن مردویہ) کی سند میں خالد بن یزید العمری ہے اور وہ متروک ہے۔

(الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف لابن حجر ۱/ ۶۴۹، المائدہ: ۵۵)

اس روایت کے بنیادی راوی خالد بن یزید العمری کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "**کذاب**" وہ جھوٹا ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۳۶۰ وسندہ صحیح)

امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "**کان کذابًا ، أتیته بمکة ولم أکتب عنه و کان ذاهب الحدیث**" وہ کذاب (جھوٹا) تھا، میں اس کے پاس مکہ آیا اور اس سے (کچھ) نہیں لکھا اور وہ حدیث میں گیا گزرا تھا۔ (ایضاً ص ۳۶۰ رقم: ۱۶۳۰)

حافظ ابن حبان نے اس پر شدید جرح کی۔

(دیکھئے کتاب المجروحین ۱/۲۸۴۔۲۸۵، لسان المیزان ۲/۳۸۹، دوسرا نسخہ ۲/۴۱۷)

اور حافظ ہیثمی نے کہا: "**و فیه خالد بن یزید العمري و هو کذاب**"

اور اس (روایت) میں خالد بن یزید العمری ہے اور وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔

(مجمع الزوائد ۳/۲۹۶ کتاب الحج باب التحفظ من المعصیۃ فیہا وفیما حولہا)

کذاب کی روایت موضوع ہوتی ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔

اس کا دوسرا راوی اسحاق بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حسین نامعلوم ہے اور غالباً اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ ہیثمی نے کہا: "**رواه الطبراني في الأوسط و فیه من لم أعرفهم**" اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ایسے راوی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا۔ (مجمع الزوائد ۷/۱۷، سورۃ المائدۃ)

حافظ ابن کثیر نے اس روایت اور دوسری روایات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"**و لیس یصحّ شيء منها بالکلیة لضعف أسانیدها و جهالة رجالها**"

ان (روایات) میں سے سرے سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے، سندوں کے ضعف اور راویوں کے مجہول ہونے کی وجہ سے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۵۶۷، المائدہ: ۵۵)

روایتِ مذکورہ کو شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ ضعیفہ میں ذکر کیا ہے۔

(ج ۱۰ ص ۵۸۲ ح ۴۹۲۱)

تنبیہ: سائل نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں (غالباً شیعہ کی کتابوں سے) تیرہ حوالے

لکھے ہیں، لیکن ان حوالوں میں سے صرف حوالہ نمبر ۱ (المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۲۸۰) اور حوالہ نمبر ۸ (مجمع الزوائد للہیثمی ۷/۱۷) میں یہ روایت موجود ہے اور مذکورہ دوسرے حوالوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ روایت اس متن سے موجود نہیں ہے۔

☆ طبرانی اور ابن مردویہ کی روایتِ مذکورہ کی تائید میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان کی گئی ہے۔ (بحوالہ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۰۲ ح ۲۴۰، دوسرا نسخہ ص ۳۳۴، تاریخ دمشق لابن عساکر ۴۲/۳۵۶۔۳۵۷، ۴۵/۳۰۳، دوسرا نسخہ ۴۵/۲۷۱، ۴۸/۲۰۲)

اس روایت میں عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی العلوی جمہور محدثین کے نزدیک سخت مجروح ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا: "يقال له مبارك وهو متروك الحديث" اسے مبارک (بھی) کہا جاتا ہے اور وہ حدیث میں متروک ہے۔

(سنن دارقطنی ۲/۲۶۳۔۲۶۴ ح ۲۶۰۶)

حاکم نیشاپوری نے کہا: "روى عن أبيه عن آبائه أحاديث موضوعة" اس نے عن ابیہ عن آباہ کی سند سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۰، رقم: ۱۲۷)

ابونعیم الاصبہانی نے کہا: "روى عن أبيه عن آبائه أحاديث مناكير لا يكتب حديثه ، لا شيئ" اس نے اپنے باپ سے آباء واجداد کی سند کے ساتھ منکر حدیثیں بیان کیں، اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی (یا لکھی نہ جائے) وہ کوئی چیز نہیں ہے۔

(کتاب الضعفاء ص ۱۲۲، رقم ۱۷۵)

عیسیٰ بن عبداللہ الہاشمی نے روایتِ مذکورہ اپنے آباء واجداد کی سند سے بیان کی ہے۔
مختصر یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت موضوع ہے۔

☆ ایک روایت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کی سند میں محمد بن مروان السدی کذاب راوی ہے۔ (دیکھئے الحدیث حضرو: ۲۴ ص ۵۰۔۵۲)

بعض آثار پر بحث تیرھویں روایت کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

۲) عبداللہ بن احمد بن حنبل کی زوائد المسند والی روایت (ح ۹۶۱) کی سند دو وجہ سے

ضعیف ہے:

۱: یزید بن ابی زیاد جمہور (محدثین) کے نزدیک ضعیف ہے۔

(دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری: ۲۱۱۶، ھدی الساری لابن حجر ص ۴۵۹)

۲: یونس بن ارقم پر جمہور نے جرح کی ہے۔

ہیثمی نے کہا: ''وهو لين'' اور وہ کمزور ہے۔ (مجمع الزوائد ۷/۲۳۹)

ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء میں ذکر کیا۔ (نیز دیکھئے لسان المیزان ۶/۳۳۱، دوسرا نسخہ ۷/۵۵۳)

۳) مسند احمد (ح ۱۹۳۲۵) والی روایت میں میمون ابو عبداللہ ضعیف ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۰۵۱)

ابو عبید نا معلوم راوی ہے۔ (دیکھئے تعجیل المنفعہ لابن حجر ص ۵۰۷ ت ۱۳۳۷)

مغیرہ بن مقسم مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سند بھی ضعیف ہے۔

٤) مستدرک کی پہلی روایت (۴۵۷۶) میں حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں۔

(دیکھئے طبقات المدلسین: ۶۹ طبقہ ثالثہ) اور سند عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

دوسری روایت (ح ۵۵۹۴) میں الحسن بن الحسین العرنی سخت مجروح ہے۔

ابو حاتم الرازی نے کہا: ''لم يكن بصدوق عند هم ...''

وہ ان (محدثین) کے نزدیک سچا نہیں تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۶)

امام ابن عدی الجرجانی نے فرمایا: ''روى أحاديث مناكير''

اس نے منکر حدیثیں بیان کیں۔ (الکامل ۲/۷۴۳، دوسرا نسخہ ۳/۱۸۱)

حافظ ذہبی نے کہا: ''الحسن هو العرني ليس بثقة'' حسن العرنی ثقہ نہیں ہے۔

(تلخیص المستدرک: ۵۵۹۴)

۵) المعجم الکبیر للطبرانی (ح ۴۰۵۳) کی روایت میں امام شریک بن عبداللہ القاضی رحمہ اللہ مدلس تھے۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۳/۲۳۴، المحلی لابن حزم ۸/۲۶۳، ۱۰/۳۳۳)

اور یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

دوسرا یہ کہ اس میں شریک القاضی کے اختلاط کی علت بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم

٦) المعجم الکبیر للطبرانی (ح ٥٠٦٨) والی روایت میں یونس بن ارقم ضعیف اور سلیمان بن مہران الاعمش مدلس ہیں اور سند عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔ باقی سند میں بھی نظر ہے۔

دوسری روایت (ح ٥٠٦٩) میں عطیہ بن سعد العوفی جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے، نیز وہ مدلس بھی تھا۔ (کمافی طبقات المدلسین: ١٢٢، طبقہ رابعہ)

اور سند عن سے ہے۔

تیسری روایت میں ابو ہارون العبدی: عمارہ بن جوین متروک راوی ہے اور بعض نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ الخ (دیکھئے تقریب التہذیب: ٤٨٤٠)

ابو ہارون کا استاد: رجل مجہول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ سند موضوع ہے۔

٧) المعجم الصغیر للطبرانی (١/٦٤۔٦٥ ح ١٦٥) والی روایت میں اسماعیل بن عمرو بن نجیح البجلی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ١٠/٢٤٨)

٨) ہیثمی کی مجمع الزوائد (٧/١٧) کا حوالہ روایت نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے۔

٩) موارد الظمآن (ح ٢٢٠٥) یعنی صحیح ابن حبان (الاحسان: ٦٨٩٢، دوسرا نسخہ: ٦٩٣١) والی روایت کی سند حسن لذاتہ (یعنی صحیح) ہے۔ اس روایت میں غدیر خُم کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''**من کنت مولاہ فإن ھذا مولاہ، اللھم والِ من والاہ و عادِ من عاداہ** '' جس کا میں مولیٰ ہوں تو یہ (علی رضی اللہ عنہ) اس کے مولیٰ ہیں، اے اللہ! جو اس سے محبت کرے تُو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی رکھے تُو اس سے دشمنی رکھ۔

سنن ترمذی (٣٧١٣ وسندہ صحیح) میں اس روایت کا ایک صحیح مختصر شاہد بھی ہے، جس کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: '' **ھذا حدیث حسن غریب** ''

مولیٰ کے لفظ پر بحث آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

١٠) خطیب بغدادی (٧/٣٧٧) کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب:۴۷۳۴)

اور باقی سند بھی ضعیف ومردود ہے۔

۱۱) اسد الغابہ (ہمارے نسخے ۳۰۷/۳ طبع مکتبۃ المعارف بالریاض) والی روایت میں اصبغ بن نباتہ متروک ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۵۳۷)

اور باقی سند بھی مردود ہے۔

دوسری روایت (ہمارے نسخہ ۲۳۳/۲) میں عمر بن عبداللہ بن یعلیٰ بن مرہ الثقفی ضعیف ہے۔ (کمافی تقریب التہذیب:۴۹۳۳)

اور باقی سند بھی مردود بلکہ ابن عقدہ کی وجہ سے موضوع ہے۔

۱۲) المختارہ للضیاء المقدسی (۱۰۵/۲ ح ۴۸۰) میں شریک القاضی مدلس ہیں، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے، لیکن سابق شاہد (فقرہ:۹) کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے۔

دوسری روایت (ح ۵۵۳) کی سند حسن لذاتہ ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر ۹ کے تحت گزر چکا ہے۔

۱۳) کنز العمال (ح ۳۱۶۶۲) والی روایت بحوالہ ابن عساکر ہے۔

تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۰۸/۲۵، دوسرا نسخہ ۷۶/۲۷) میں یہ روایت ''الحسین بن الحسن (کذا! والصواب الحسن بن الحسین کما فی المستدرک ۳۷۱/۳ ح ۵۵۹۴): نا رفاعة بن إياس الضبي عن أبيه عن جده '' کی سند سے مروی ہے۔

الحسن بن الحسین العرنی سچا نہیں تھا۔ (دیکھئے فقرہ:۴)

اور باقی سند بھی ثابت نہیں ہے۔

دوسری روایت (ح ۳۶۳۴۰) بحوالہ ابن جریر ہے۔

ہمیں اس کی سند نہیں ملی اور مشکل الآثار للطحاوی (۱۸/۵ ح ۱۷۶۵) میں اس مفہوم کی روایت حبیب بن ابی ثابت عن ابی الطفیل کی سند سے مروی ہے۔

حبیب مدلس تھے۔ (دیکھئے فقرہ:۴)

اور روایت عن سے ہے، لہٰذا طحاوی والی سند ضعیف ہے۔

تیسری روایت (۳۶۵۱۱) کو بحوالہ ابن راہویہ اور ابن جریر نقل کیا گیا ہے۔ اس روایت کی سند نہیں ملی، لہٰذا یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

اب بعض زیادات وفوائد پیشِ خدمت ہیں:

۱: حافظ ابن حجر نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب موضوع روایت (دیکھئے فقرہ نمبر ا) ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"**ورواه الثعلبي من حديث أبي ذر مطولاً و إسناده ساقط**"

اور اسے ثعلبی نے ابوذر (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سے مطولاً روایت کیا اور اس کی سند گری پڑی (یعنی مردود وموضوع) ہے۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ۱/۶۴۹)

۲: سلمہ بن کہیل (تابعی) سے ایک روایت میں آیا ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی صدقہ کر دی تو یہ آیت (سورۃ المائدہ: ۵۵) نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۴/۱۱۶۲ ح ۶۵۵۱، تاریخ دمشق ۴۲/۳۵۷، دوسرا نسخہ ۴۵/۲۷۲، البدایہ والنہایہ نسخہ محققہ ۷/۵۹۰۔۵۹۱)

اس روایت کی سند سلمہ بن کہیل تک صحیح ہے، لیکن یہ مرسل و منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے فرمایا:

"**وهذا لا يصح بوجه من الوجوه لضعف أسانيده**" اور یہ بھی کسی سند سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سندیں ضعیف ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۵۹۱)

۳: عتبہ بن ابی حکیم (تبع تابعی) سے روایت ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری نسخہ محققہ ۴/۵۹۲ ح ۱۲۲۲۷)

اس میں ایوب بن سوید جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے، لہٰذا سند ضعیف ہے۔

۴: مجاہد (تابعی و مفسرِ قرآن) سے روایت ہے کہ یہ علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی، انھوں نے حالتِ رکوع میں صدقہ کیا تھا۔ (تفسیر ابن جریر ۴/۵۹۲ ح ۱۲۲۲۸)

اس کے راوی عبدالعزیز بن ابان بن محمد بن عبداللہ الکوفی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "**كذاب خبيث ، يضع الحديث**"

کذاب خبیث ہے، وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ (سوالات ابن الجنید: ۸۲)

۵: اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی (سدی کبیر، تابعی) سے روایت ہے کہ یہ سارے مومنین ہیں، لیکن علی بن ابی طالب کے پاس سے ایک سائل گزرا اور آپ مسجد میں حالتِ رکوع میں تھے، پس آپ نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔ (تفسیر ابن جریر ۴/۵۹۴ ح ۱۲۲۲۴)

اس روایت کی سند سدی کبیر تک حسن ہے، لیکن یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ سدی نے فرمایا: اس سے مراد مومنین ہیں اور علی ان میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۴/۱۱۶۲ ح ۶۵۴۸)

اس کی سند سدی تک صحیح ہے اور بے شک سیدنا علی رضی اللہ عنہ مومنین میں سے ہیں۔

۶: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۵۶۶)

اس روایت میں عبدالوہاب بن مجاہد سخت مجروح ہے، لہٰذا یہ سند مردود ہے۔

اس مفہوم کی ایک دوسری روایت بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (ابن کثیر ۲/۵۶۷)

اس کی سند منقطع ہے اور سفیان ثوری مدلس ہیں، ان سے پہلے صاحبِ کتاب تک سند بھی نامعلوم ہے۔

خلاصۃ التحقیق: سائل کی مسئولہ روایت موضوع ہے اور اس مفہوم کی تمام روایات ضعیف یا باطل و مردود ہیں۔

امام ابوجعفر الباقر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے... اور علی ان لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لائے۔ (تفسیر ابن جریر ۴/۵۹۴ ح ۱۲۲۲۵)

امام ابوجعفر تک سند صحیح ہے (وصححہ الالبانی فی الضعیفۃ ۱۰/۵۸۲) اور اس سے ثابت ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں تمام صحابہ اور مومنین مراد ہیں۔

حدیث: ((من کنت مولاہ فعلي مولاہ)) جس کا میں مولیٰ ہوں تو علی اس کے مولیٰ

ہیں، بالکل صحیح اور متواتر ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام عرف فتاویٰ علمیہ ج ۲ص ۲۶۷)

مولیٰ کے کئی معنی ہیں مثلاً (۱) پروردگار (۲) مالک آقا (۳) مخلص دوست ساتھی رفیق (۴) ولی (۵) غلام اور آزاد کردہ غلام وغیرہ

یہاں پر مولیٰ سے مراد ولی، محبوب اور مخلص ہے، یعنی جو شخص رسول اللہ ﷺ کو اپنا ولی اور محبوب سمجھتا ہے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا ولی اور محبوب سمجھتا ہے۔

حنفیوں کے ایک امام طحاوی نے فرمایا: "**المولی ھاھنا ھو الولي ...**"

یہاں مولیٰ سے مراد ولی ہے... (مشکل الآثار طبعہ جدیدہ ۵/۲۵ ح ۱۷۷۰)

قاضی عیاض المالکی نے کہا: "**مولاہ : أي ولیہ...**" یعنی اس سے ولی مراد ہے۔

(مشارق الانوار ۲/۲۹۰)

ولی بھی مخلص دوست اور محبوب کو کہتے ہیں۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص ۱۹۰۱)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((أنت أخونا و مولانا)) تم ہمارے بھائی اور مولیٰ ہو۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹۹)

جس طرح سیدنا زید بن حارثہ مولیٰ ہیں، اسی طرح سیدنا علی بھی مولیٰ ہیں۔ رضی اللہ عنہما

یہاں مولیٰ سے پروردگار، مشکل کشا، حاجت روا یا وصی وخلیفہ مراد لینا بے دلیل اور باطل ہے۔ اگر مولیٰ سے یہاں خلیفہ یا وصی مراد ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے صراحتاً استدلال کرتے مگر ان سے ایسا کوئی استدلال ثابت نہیں، لہٰذا شیعہ کا استدلال باطل ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر الصدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کی، بلکہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمد بن الحنفیہ یعنی محمد بن علی بن ابی طالب نے اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد کون بہتر ہے؟ انھوں نے فرمایا: ابوبکر۔

بیٹے نے پوچھا: اُن کے بعد کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: پھر عمر بہتر ہیں۔

(باب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب فضل ابی بکر ح ۳۶۷۱)

(۲۷/ نومبر ۲۰۱۰ء)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سورج کی واپسی؟

سوال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر فوت ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو واپس لوٹایا۔ اس واقعے کی کیا حقیقت ہے؟ (محمد انور، راولپنڈی)

الجواب فضیل بن مرزوق (حسن الحدیث وثقہ الجمہور) نے ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب عن (اُمہ) فاطمۃ بنت الحسین (ثقہ) عن اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی سند سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آرہی تھی اور آپ کا سر (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کی گود میں تھا، پس انھوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں!

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اللّٰھمّ إنه کان في طاعتك و طاعة رسولك فاردد علیه الشمس.)) اے اللہ! وہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا لہٰذا اس کے لئے سورج کو واپس بھیج دے۔

اسماء نے کہا: پس میں نے اسے (سورج کو) دیکھا، غروب ہوا پھر دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد (دوبارہ) طلوع ہوا۔ (مشکل الآثار للطحاوی طبعہ جدیدہ ۳/۹۲ ح ۱۰۶۷، طبعہ قدیمہ ۲/۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۴/۱۴۷۔۱۵۲ ح ۳۹۰، الاباطیل والمناکیر للجورقانی ۱/۱۵۸، الموضوعات لابن الجوزی ۱/۳۵۵)

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ ابراہیم بن حسن بن حسن بن ابی طالب کی صریح توثیق، زمانہ تدوینِ حدیث میں سوائے حافظ ابن حبان کے کسی نے بھی نہیں کی اور مجہول و مستور کی توثیق میں ابن حبان متساہل تھے لہٰذا ابراہیم بن حسن مذکور مجہول الحال ہیں اور حافظ ذہبی نے انھیں ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے۔

دیکھئے دیوان الضعفاء والمتروکین (۱/۴۶ ت ۱۶۹)

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: فضیل بن مرزوق کا ابراہیم (بن حسن بن حسن) سے سماع معلوم نہیں، ابراہیم کا (اپنی ماں) فاطمہ سے اور فاطمہ کا اسماء (بنت عمیس رضی اللہ عنہا) سے سماع معلوم

نہیں ہے۔ (منہاج السنہ ۱۹۰/۴)

محمد بن موسیٰ الفطری المدنی (ثقہ وصدوق) نے "عون بن محمد عن أمه أم جعفر عن أسماء بنت عميس رضي الله عنها" کی سند سے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے صہباء (ایک مقام) میں ظہر کی نماز پڑھی پھر علی علیہ السلام کو کسی ضرورت کے لئے بھیجا پھر وہ آئے تو نبی ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنا سر (مبارک) علی (رضی اللہ عنہ) کی گود میں رکھا تو انھوں نے سورج کے غروب ہونے تک کوئی حرکت نہیں کی، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ((اللّٰهم إن عبدك عليًّا احتبس بنفسه علٰى نبيك فردّ عليه شرقها))

اے اللہ! تیرے بندے علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے آپ کو تیرے نبی کے لئے روکے رکھا لہٰذا اس کے لئے سورج کو لوٹا دے۔

اسماء (رضی اللہ عنہا) نے کہا: پھر سورج طلوع ہو گیا حتیٰ کہ پہاڑوں اور زمین پر دھوپ چھا گئی۔

پھر علی (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے تو وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا۔

یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر صہباء (نامی مقام) میں ہوا۔

(شرح مشکل الآثار ۹۲/۳ ح ۱۰۶۸، دوسرا نسخہ ۹/۲، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۴۵/۲۴ ح ۳۸۲)

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

عون بن محمد اور ام جعفر (ام عون بنت محمد بن جعفر) دونوں کی توثیق نامعلوم ہے یعنی دونوں مجہول الحال تھے۔

حافظ ابن تیمیہ نے کہا: عون اور اس کی ماں (ام جعفر) کی عدالت اور حفظ معلوم نہیں ہے۔

(منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۸۹)

ام جعفر کا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے سماع بھی نامعلوم ہے۔ (ایضاً ۱۸۹)

تنبیہ: بعض روایات میں (سیدہ) اسماء (رضی اللہ عنہا) سے فاطمہ بنت حسین کے سماع کی تصریح موجود ہے لیکن اُن میں مروان بن معاویہ الفزاری اور شریک بن عبداللہ القاضی (مدلسین) کے عنعنوں (عن سے روایت کرنے/ وغیرہما..) کی وجہ سے نظر ہے۔

خلاصۃ التحقیق: سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے لئے سورج کی واپسی والی روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف یعنی مردود ہے۔

ابن عقدہ رافضی اور ابن مردویہ والی روایات بھی ضعیف ومردود ہیں۔ ابن مردویہ والی روایت میں یزید بن عبدالملک النوفلی (ضعیف) ہے۔ (دیکھئے منہاج السنہ ۱۹۳/۴، من طریق یحییٰ بن یزید بن عبدالملک النوفلی عن ابیہ عن داود بن فراہیج عن عمارہ بن فرو عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

النوفلی کے ضعف کے لئے دیکھئے تقریب التہذیب (۷۷۵۱) اور میزان الاعتدال (۴۱۴/۴ت ۹۶۵۱ ترجمہ یحییٰ بن یزید بن عبدالملک)

اس موضوع کی مردود روایات کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے منہاج السنہ (۱۸۵/۴۔۱۹۵)

وما علینا إلا البلاغ (۱۴/جنوری ۲۰۱۰ء)

زمین سے عرش تک کا فاصلہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ما بین کل سماء إلی أخری مسیرۃ خمسمائۃ عام و ما بین السماء والأرض مسیرۃ خمسمائۃ عام و ما بین السماء السابعۃ إلی الکرسي مسیرۃ خمسمائۃ عام و ما بین الکرسي إلی الماء مسیرۃ خمسمائۃ عام، والعرش علی الماء واللّٰہ علی العرش و یعلم أعمالکم.'' ہر آسمان اور دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش پر ہے اور تمھارے اعمال جانتا ہے۔

(کتاب التوحید لابن خزیمہ ص ۱۰۴، دوسرا نسخہ ۲۴۲/۱۔۲۴۳ ح ۱۴۹، وسندہ حسن لذاتہ، کتاب الرد علی الجہمیہ: ۸۱، دوسرا نسخہ: ۲۶، الرد علیٰ بشر المریسی ص ۷۳، ۹۰، ۱۰۵، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲۸/۹ ح ۸۹۸۷ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۸۶/۱: ''ورجالہ رجال الصحیح''، الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۰۱، دوسرا نسخہ ص ۵۰۷، تیسرا نسخہ ۲۹۰/۲ ح ۸۵۱، وعنہ الذہبی فی کتاب العلو للعلی الغفار ۴۱۷/۱ ح ۶۷)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

التحقیق القوی فی عدم سماع الحسن البصری من علی رضی اللہ عنہ

سوال کیا امام حسن بصری رحمہ اللہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے؟

طاہر القادری (بریلوی) نے ''القول القوی فی سماع الحسن عن علی'' نامی رسالہ لکھا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حسن بصری کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔اس مسئلے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ (اعظم المبارکی)

الجواب امام ابوسعید الحسن بن ابی الحسن: یسار البصری رحمہ اللہ ۲۱ یا ۲۲ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی، آپ کے ثقہ فقیہ فاضل ہونے پر اتفاق ہے۔

حسان بن ابی سنان البصری رحمہ اللہ (صدوق عابد/تقریب التہذیب: ۱۲۰۰) سے روایت ہے کہ میں نے حسن (بصری) کو فرماتے ہوئے سنا: '' أدرکت سبعین بدریًا و صلیت خلفهم و أخذت بحجزهم ''میں نے ستر (۷۰) بدریوں کو پایا، اُن کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور اُن کا دامن تھاما۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۹۶، وسندہ حسن)

اس روایت کے راوی ریاح بن عمرو القیسی پر امام ابوداود کی جرح امام ابوداود سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس جرح کا راوی ابوعبید الآجری مجہول الحال ہے۔

امام حسن بصری کے درج بالا قول سے معلوم ہوا کہ انھوں نے بچپن میں ستر بدری صحابہ کو دیکھا تھا، لیکن کیا اُن سے احادیث بھی سنی تھیں؟ اس کا کوئی ذکر اس روایت میں نہیں ہے۔ستر بدری صحابہ سے مراد دو گروہ ہی ہو سکتے ہیں:

اول: وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے غزوۂ بدر میں شمولیت اختیار کی تھی۔

دوم: بدر نامی علاقے کے رہنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اگر اول الذکر مراد ہو تو سوال یہ ہے کہ کیا ان جلیل القدر صحابہ کرام میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن سے حسن بصری کو رُویت (دیکھنے) کا شرف حاصل ہوا؟

حافظ ابوالحجاج المزی وغیرہ علماء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا۔

دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۱۱۴، طبعہ مصغرہ: موسسۃ الرسالہ)

یونس بن عبید سے روایت ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا: اے ابوسعید! آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حالانکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا؟ انھوں نے جواب دیا: اے بھتیجے! تم نے مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا ہے جس کے بارے میں پہلے کسی نے نہیں پوچھا، اور اگر میرے نزدیک تمھارا (بڑا) مقام نہ ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ بتاتا، میں جس زمانے میں ہوں تم دیکھ رہے ہو (وہ حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا) تم نے مجھے جب بھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے سنا ہے تو وہ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے ہے، وجہ یہ ہے کہ میں اس زمانے میں علی (رضی اللہ عنہ) کا نام نہیں لے سکتا۔ (تہذیب الکمال ۲/ ۱۲۱، الحاوی للفتاوی ۲/ ۱۰۲، محمد طاہر القادری بریلوی کا رسالہ: القول القوی فی سماع الحسن عن علی رضی اللہ عنہ ص ۴۴)

یہ درج بالا ساری روایت کئی وجہ سے بلحاظِ سند ثابت نہیں ہے:

اول: اس کا راوی عطیہ بن محارب نامعلوم (مجہول) ہے۔

دوم: ثمامہ بن عبیدہ ضعیف ہے۔ ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "منکر الحدیث" نیز علی بن المدینی نے اُسے سخت ضعیف اور جھوٹ بولنے والا قرار دیا۔ (الجرح والتعدیل ۲/ ۴۶۷)

سوم: محمد بن موسیٰ بن نفیع الحرشی بھی مجروح ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا:

"لین" یعنی ضعیف (تقریب التہذیب: ۶۳۳۸)

چہارم: محمد بن حنیفہ الواسطی کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا: "لیس بالقوي"

(سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۱۹، اور لسان المیزان ۵/ ۱۵۰)

اس ضعیف و مردود سند سے طاہر القادری نے استدلال کر کے اپنی "ڈاکٹریٹ" کا صحیح

تعارف کرادیا ہے۔!

سیوطی وغیرہ نے چند روایات ایسی پیش کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سنا تھا، ان روایات میں سے ایک روایت بھی صحیح و ثابت نہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا: سیوطی نے مسند ابی یعلیٰ (؟) سے امام ابو یعلیٰ کی سند کے ساتھ عقبہ بن ابی الصہباء الباہلی سے نقل کیا: ''سمعت الحسن یقول : سمعت علیاً یقول قال رسول اللہ ﷺ : مثل أمتي مثل المطر .. '' (الحاوی للفتاوی ۱۰۴/۲، اتحاف الفرقۃ برفو الخرقۃ)

کسی محمد بن الحسن بن الصیر فی نے اس روایت کو حسن کے علی رضی اللہ عنہ سے سماع میں نصِ صریح قرار دیا ہے لیکن عرض ہے کہ اس ''نصِ صریح'' سے استدلال کئی وجہ سے غلط ومردود ہے:

اول: یہ روایت مسند ابی یعلیٰ میں نہیں ملی لہٰذا سوال یہ ہے کہ کس نے اُسے امام ابو یعلیٰ سے روایت کیا ہے؟

سیوطی نے کہا: '' قال الحافظ ابن حجر : ووقع في مسند أبي يعلى قال ... '' إلخ

حافظ ابن حجر نے کہا: اور مسند ابی یعلیٰ میں ہے کہ انھوں نے فرمایا... (الحاوی للفتاوی ۱۰۴/۲)

حافظ ابن حجر کی کسی کتاب میں سیوطی کا منسوب کردہ یہ قول نہیں ملا اور حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں وفات پا گئے تھے اور سیوطی ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے لہٰذا حافظ ابن حجر سے سیوطی کا سماع ثابت نہیں ہے، یعنی سیوطی کی یہ نقل منقطع اور بے سند ہے۔

دوم: خود حسن بصری نے فرمایا کہ انھوں نے بالمشافہ حدیث (سننے) کے ساتھ بدریوں میں سے کسی سے بھی ملاقات نہیں کی...الخ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ج ۲ ص ۳۵ وسندہ صحیح)

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں حسن (بصری) نے کسی بدری صحابی سے ملاقات کا نہیں بتایا۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۵۹، وسندہ صحیح)

یہ ظاہر ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور امام حسن بصری نے اپنے بارے میں بالکل سچ فرمایا ہے لہٰذا سیوطی کی بے حوالہ نقل (؟) مردود ہے۔

یاد رہے کہ ابن الصیر فی سے بھی سیوطی کی نقل محلِ نظر ہے۔

۲: حدیث المصافحۃ...'' عیسی القصار (؟) قال : صافحت الحسن البصري قال : صافحت علي بن أبي طالب ... '' إلخ (الحاوی للفتاوی ج۲ص۱۰۴)

یہ ساری روایت مجہول راویوں کی وجہ سے مردود ہے۔

عیسیٰ القصار، علی بن الرزینی اور احمد بن محمد النغروی وغیرہم کون تھے؟ اللہ ہی جانتا ہے۔

جو شخص صوفیوں کی اس سند کو صحیح سمجھتا ہے، اُس پر یہ لازم ہے کہ ابن مسدی سے لے کر حسن بصری تک ہر راوی کا ثقہ یا صدوق ہونا باحوالہ ثابت کر دے۔

۳: سعید بن ابی عروبہ عن عامر الاحول عن الحسن کی سند سے مروی ہے کہ قال: '' شهدت عليا رضي الله عنه بالمدينة ... ''میں نے مدینے میں علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی ؟، الحاوی للفتاوی ۲/ ۱۰۴)

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: سعید بن ابی عروبہ مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

دوم: تمیم بن محمد کی توثیق مطلوب ہے۔

سوم: محمد بن احمد بن حمدان نامعلوم ہے۔

چہارم: احمد بن محمد الفقیہ کا تعین مطلوب ہے۔

پنجم: السنہ للالکائی میں یہ روایت نہیں ملی۔

۴: سلیمان بن سالم القرشی نے علی بن زید (بن جدعان) سے روایت کیا، اُس نے حسن بصری سے روایت کیا کہ انھوں نے علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو باہم معانقہ کرتے ہوئے دیکھا...الخ

(التاریخ الصغیر للبخاری ۲/ ۱۹۹ رقم ۲۲۹۵، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۸۲، التاریخ الاوسط للبخاری وھو المشھور بالتاریخ الصغیر ۴/ ۶۹۰ ح ۱۰۶۸، الکامل لابن عدی ۳/ ۲۷۰ رقم ۷۴۲، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۱۱۹، تیسرا نسخہ ۴/ ۲۶۲)

اس روایت کا راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)

جمہور نے اُسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے زوائد سنن ابن ماجہ للبوصیری (۲۲۸) اور

مجمع الزوائد (۲۰۶/۸، ۲۰۹)

تنبیہ: حاکم نیشاپوری نے حسن کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کو صحیح کہا ہے۔

(المستدرک ۳۸۹/۴ ح ۷۱۶۹) لیکن ذہبی نے ''فیہ ارسال '' کہہ کر اس روایت کے منقطع ہونے کی صراحت کردی ہے۔ دیکھئے تلخیص المستدرک (۳۸۹/۴)

امام بخاری نے حسن عن علی کی ایک روایت کو ''حسن '' کہا اور فرمایا: حسن نے علی کو پایا ہے۔ (العلل الکبیر للترمذی ۵۹۳/۲، ابواب الحدود)

شمس الدین ابن الجزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے حسن عن علی والی ایک روایت کو ''وھذا حدیث صحیح الإسناد '' کہا۔ (مناقب الاسد الغالب ج ا ص ۲۷، از مکتبہ شاملہ)

یہ اقوال جمہور علماء کی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہیں۔

طاہر القادری نے ضعیف روایات لکھ کر دعویٰ کیا ہے کہ ''یہ تمام روایات صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے احادیث کا سماع کیا اور ان سے بکثرت طریقت ومعرفت کا فیضان حاصل کیا تھا۔'' (القول القوی ص ۸۵)

عرض ہے کہ طاہر القادری کی مذکورہ روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں لہٰذا بکثرت طریقت ومعرفت کے فیضان حاصل کرنے کا دعویٰ باطل ہے۔

ان غیر ثابت روایات کے بعد وہ دلائل پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا تھا:

۱) حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ'' أنه [ما] لقي أحدًا من البدريين شافهه بالحدیث ... ''انھوں (یعنی حسن بصری) نے کسی ایک بدری صحابی سے حدیث سننے والی ملاقات نہیں کی۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۲ ص ۳۵ وسندہ صحیح)

۲) حسن بصری کے شاگرد قتادہ نے کہا: ہمیں حسن (بصری) نے نہیں بتایا کہ کسی بدری صحابی سے اُن کی ملاقات ہوئی ہو۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ص ۱۵۹، وسندہ صحیح، سیر اعلام النبلاء ج ۴ص ۵٦۷)

۳) اسماء الرجال کے مشہور امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۴ھ) نے فرمایا:
حسن نے علی (رضی اللہ عنہ) کو نہیں دیکھا اِلا یہ کہ انھوں نے بچپن میں اُنھیں دیکھا ہو۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳۲ وسندہ صحیح)

٤) امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (متوفی ۲٦۴ھ) نے فرمایا: حسن (بصری) نے (سیدنا) عثمان اور علی (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا اور اُن سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳۱ ملخصاً وسندہ صحیح)

۵) امام ابوعیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمیں حسن (بصری) کا علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے سماع معلوم نہیں ہے۔ (جامع الترمذی: ۱۴۲۳)

٦) حافظ ابوالحجاج المزی رحمہ اللہ نے فرمایا:
حسن (بصری) نے علی بن ابی طالب، طلحہ بن عبید اللہ اور عائشہ کو دیکھا اور اُن میں سے کسی ایک سے بھی اُن کا سماع صحیح ثابت نہیں ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۲ص ۱۱۴ نسخہ مؤسسۃ الرسالہ)

۷) حافظ ذہبی نے کہا: حسن بصری نے علی اور ام سلمہ (رضی اللہ عنہما) دونوں سے نہیں سنا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۴ص ۵٦٦)

۸) حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: حسن بصری نے علی (رضی اللہ عنہ) سے نہیں سنا۔

(اتحاف المہرہ ج ۱۱ص ۳۴۱ قبل ح ۱۴۱۵۵)

۹) امام ابوحاتم الرازی نے قتادہ عن "**الحسن عن علي عن النبي ﷺ**" والی روایت کے بارے میں فرمایا: "**وھو مرسل**" اور وہ مرسل (منقطع) ہے۔

(علل الحدیث لابن ابی حاتم طبعہ محققہ ج ۱ص ۵۲۰ ح ٦۵۷)

۱۰) بیہقی نے حسن عن علی والی روایت کو "**منقطع**" کہا۔

(معرفۃ السنن والآثار ٦/۲٦٦ ح ۴۹۸۰، الدیات باب قتل الرجل بالمرأۃ)

اور کہا: "**وقالوا : رواية الحسن عن علي لم تثبت . و أهل العلم بالحديث**

یرونها مرسلة . '' اورانھوں (محدثین) نے کہا: حسن کی علی سے روایت ثابت نہیں ہے۔حدیث کے علماء اسے مرسل (منقطع) سمجھتے ہیں۔

(معرفۃ السنن والآثار ۳/ ۸۷ صلوٰۃ الخوف)

نیز دیکھئے الجوہر النقی (۳/ ۳۳۰)

۱۱) ابن الترکمانی حنفی نے کہا:

'' الحسن أیضًا لم یسمع علیًا . ''اورحسن نے علی (رضی اللہ عنہ) سے سنا بھی نہیں۔

(الجوہر النقی ج ۴ ص ۲۸۶)

۱۲) ابن عراق الکنانی (متوفی ۹۶۳ھ) نے کہا:

'' وهو من حدیث الحسن عن علي ولم یلقه ... ''اور وہ حسن کی علی (رضی اللہ عنہ) سے حدیث میں سے ہے اور انھوں نے علی سے ملاقات نہیں کی۔

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ ۲/ ۲۶۷ ح ۱۳۳، کتاب الاطعمہ)

۱۳) ابن عبدالہادی نے کہا: '' الحسن لم یسمع من علي ''حسن نے علی (رضی اللہ عنہ) سے نہیں سنا۔ (تنقیح تحقیق احادیث التعلیق ۳/ ۲۱۲ ح ۱۸۷۱، از مکتبہ شاملہ)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور محدثین و علماء کے نزدیک حسن بصری رحمہ اللہ کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت عدمِ سماع کی وجہ سے منقطع (یعنی ضعیف) ہے۔

تنبیہ: سیوطی نے اتحاف الفرقۃ برفو الخرقۃ (فرقے کا تحفہ، خرقے یعنی پرانے پھٹے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے [چیتھڑے] کی مرمت) کے عنوان سے جس صوفیانہ خرقے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کے بارے میں اہلِ تصوف کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ خرقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کو پہنایا تھا اور حسن بصری نے اپنے شاگرد کو پہنایا پھر اسی طرح آگے صوفیاء میں یہ (چوغہ پہننے کی) رسم چلی۔

عرض ہے کہ اس صوفیانہ خرقے اور چوغے کا کوئی ثبوت کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے بلکہ کسی ضعیف حدیث میں بھی نہیں ہے۔

سخاوی (صوفی) نے لکھا ہے: ''قال ابن دحیة و ابن الصلاح : إنه باطل و کذا قال شیخنا ... ''ابن دحیہ اور ابن الصلاح نے کہا: یہ باطل ہے اور اسی طرح ہمارے استاذ (حافظ ابن حجر) نے فرمایا... (المقاصد الحسنہ ص ۳۳۱ ح ۸۵۲ حرف اللام)

پھر سخاوی نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا کہ یہ جھوٹ اور افتراء ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے حسن بصری کو خرقہ پہنایا تھا کیونکہ حدیث کے اماموں نے حسن کا علی سے سماع ہی ثابت قرار نہیں دیا، کجا یہ کہ وہ اُن سے خرقہ پہنیں؟

پھر سخاوی نے کہا: ہمارے استاذ (ابن حجر) اس بیان میں اکیلے نہیں بلکہ دمیاطی، ذہبی، ہکاری، ابوحیان، علائی، مغلطائی، عراقی، ابن الملقن، ابناسی، برہان الحلبی اور ابن ناصر الدین نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۳۳۱)

نیز دیکھئے الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ لملا علی قاری (ص ۲۷۰۔۲۷۱ ح ۳۵۶)

خرقے والے قصے کے بارے میں حافظ ذہبی نے کلام کر کے اس کا منقطع ہونا ثابت کیا ہے۔ دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۱۸۴/۱۰، وفیات ۱۶۱۔۱۷۰ھ)

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تک بعض صوفیاء کے سلسلوں کی متصل صحیح سند بھی کہیں موجود نہیں ہے اور اس سلسلے میں تمام صوفیانہ دعاوی کذب و افتراء سے لبریز ہیں مثلاً حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے ''سلاسلِ طیبہ'' (ص ۸) میں وسیلے والا سلسلہ بلحاظِ سند ثابت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

صوفیا اور بعض علماء کا خرقہ پہننا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امام حسن بصری کو یہ خرقہ (صوفیانہ چوغہ) پہنایا تھا لہٰذا اتحاف الفرقہ سے خرقہ رفو نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ پھٹ گیا۔ یہ اس وقت رفو ہوگا جب اس کی صحیح متصل سند پیش کی جائے گی۔

اس ساری بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

(۱۲/ نومبر ۲۰۰۹ء)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

عبداللہ بن سبا کون تھا؟

سوال: بعض لوگ عبداللہ بن سبا یہودی کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔آپ سے گذارش ہے کہ اس سوال کا مفصل جواب بیان فرمائیں تا کہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

(خالد بن علی گوہر دایو، ملخصاً)

الجواب: عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح بلکہ متواتر روایات سے ثابت ہے مثلاً:

① امام احمد بن زہیر بن حرب عرف ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں: '' حدثنا عمرو بن مرزوق قال: نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن زيد بن وهب قال قال علي: مالي ولهذا الخبيث الأسود ـ يعني عبدالله بن سبأ ـ وكان يقع في أبي بكر وعمر. ''سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اس کالے خبیث یعنی عبداللہ بن سبا کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور وہ (ابن سبا) ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو برا کہتا تھا۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۵۸۰ ح ۱۳۹۸، وسندہ صحیح)

② جحیہ الکندی سے روایت ہے کہ (سیدنا) علی علیہ السلام نے منبر پر فرمایا: یہ کالا ابن السوداء اللہ اور رسول پر جھوٹ بولتا ہے۔ الخ (الجزء الثالث والعشرون من حدیث ابی الطاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر الذہلی: ۱۵۷، وسندہ حسن، تاریخ ابن ابی خیثمہ: ۱۳۹۸، تاریخ دمشق ۳۱/۶)

ابن سوداء سے مراد ابن سبا ہے۔

③ عبیداللہ بن عتبہ (بن مسعود) رحمہ اللہ نے فرمایا: ''إني لست بسبائي ولا حروري'' میں نہ تو سبائی (عبداللہ بن سباوالا یعنی شیعہ) ہوں اور نہ حروری (خارجی) ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۹۹، ۳۰۰ ح ۳۱۲۲۷، دوسرا نسخہ ح ۶۱۳۱۷ وسندہ صحیح)

④ امام یزید بن زریع رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۲ھ) نے فرمایا: ''ثنا الکلبي و کان سبائیاً''
ہمیں (محمد بن السائب) الکلبی نے حدیث بیان کی اور وہ سبائی (یعنی عبداللہ بن سبا کی
پارٹی میں سے) تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۲۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۷ ص ۲۷۵)

⑤ محمد بن السائب الکلبی نے کہا: ''أنا سبائي'' میں سبائی ہوں۔

(الضعفاء للعقیلی ۴/۷۷ وسندہ صحیح، المجروحین لابن حبان ۲/۲۵۳ وسندہ صحیح)

لفظ سبائی کی تشریح میں امام ابوجعفر العقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''هم صنف من الرافضة أصحاب عبدالله بن سبأ''

یہ رافضیوں کی ایک قسم ہے، یہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ (الضعفاء الکبیر ۴/۷۷)

⑥ امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے فرمایا:

''فلم أر قوماً أحمق من هذه السبئية'' میں نے ان سبائیوں سے زیادہ احمق کوئی قوم
نہیں دیکھی۔ (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۲۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۷ ص ۲۷۵)

⑦ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے ایک ثقہ راوی عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب
کے بارے میں فرمایا: ''و کان عبدالله یتبع السبائیة'' اور عبداللہ سبائیوں کے پیچھے
چلتے تھے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری ۵/۱۸۷، وسندہ صحیح)

سبائیوں سے مراد رافضیوں (شیعوں) کی ایک قسم ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۱۰ ص ۵۱۳)

⑧ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:

''و کان الکلبي سبئیاً من أصحاب عبدالله بن سبأ ....''

اور کلبی سبائی تھا، وہ عبداللہ بن سبا کے پیروکاروں میں سے تھا... (المجروحین ۲/۲۵۳)

⑨ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا:

''ثم السبئیة إذ غلت فی الکفر فزعمت أن علیاً إلٰهها حتّٰی حرّقهم
بالنار ...'' پھر سبائی ہیں، جب انھوں نے کفر میں غلو کیا تو یہ دعویٰ کیا کہ علی اُن کے الٰہ
(معبود) ہیں حتیٰ کہ انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو جلا دیا۔ (احوال الرجال ص ۳۷)

⑩ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اعمش کے شاگرد ابوسلمان یزید نامی راوی کے بارے میں فرمایا: ''وھو سبائي'' اور وہ سبائی ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۸۷۰)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں جن سے عبداللہ بن سبا یہودی کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ اہلِ سنت کی اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی ابن سبا کا تذکرہ موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۳/۳۱) میزان الاعتدال (۲/۴۲۶) لسان المیزان (۳/۲۸۹، دوسرا نسخہ ۴/۲۲) وغیرہ۔

فرقوں پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کا ذکر موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے ابوالحسن الاشعری کی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' (ص ۸۶)

الملل والنحل للشہرستانی (ج ۲ ص ۱۱) اور الفصل فی الملل والاھواء والنحل (۴/۱۸۰) وغیرہ.

حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں: ''وقالت السبائية أصحاب عبدالله بن سبا الحميری اليهودی مثل ذلك في علي بن أبي طالب رضي الله عنه''

اور سبائیوں: عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیروکاروں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح کی باتیں کہی ہیں۔ (الفصل فی الملل ۴/۱۸۰)

ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں: ''والصنف الرابع عشر من أصناف الغالية وهم السبئية أصحاب عبدالله بن سبا يزعمون أن علياً لم يمت وأنه يرجع إلى الدنيا قبل يوم القيامة ...'' غالیوں میں سے چودھویں قسم سبائیوں کی ہے جو عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) فوت نہیں ہوئے اور بے شک وہ قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئیں گے.... (مقالات الاسلامیین ص ۸۶)

حافظ ذہبی نے عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا ہے کہ ''من غلاة الزنادقة ضال مضل'' وہ غالی زندیقوں میں سے (اور) ضال مضل تھا۔ (میزان الاعتدال ۲/۴۲۶)

اہلِ سنت کا عبداللہ بن سبا کے وجود پر اجماع ہے، کوئی اختلاف نہیں۔

شیعہ فرقے کے نزدیک بھی عبداللہ بن سبا کا وجود ثابت ہے جس کی دس (۱۰) دلیلیں

پیشِ خدمت ہیں:

١: امام ابوعبداللہ (جعفر بن محمد بن علی الصادق) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''لعن اللّٰہ عبداللّٰہ بن سبا انہ ادعی الربوبیة فی أمیر المؤمنین (ع) وکان واللّٰہ أمیر المؤمنین (ع) عبدًا للّٰہ طائعًا، الویل لمن کذب علینا، و إن قومًا یقولون فینا مالا نقولہ في أنفسنا ، نبرأ إلی اللّٰہ منھم ، نبرأ إلی اللّٰہ منھم''

عبداللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے اُس نے امیر المومنین (علی علیہ السلام) کے بارے میں ربوبیت (رب ہونے) کا دعویٰ کیا، اللہ کی قسم! امیر المومنین (علیہ السلام) تو اللہ کے طاعت شعار بندے تھے، تباہی ہے اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ بولتا ہے، بے شک ایک قوم ہمارے بارے میں ایسی باتیں کرے گی جو ہم اپنے بارے میں نہیں کرتے، ہم ان سے بری ہیں ہم ان سے بری ہیں۔ (رجال کشی ص ١٠٧، روایت نمبر ١٧٢)

اس روایت کی سند شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے صحیح ہے۔ محمد بن قولویہ القمی، سعد بن عبداللہ بن ابی خلف القمی، یعقوب بن یزید، محمد بن عیسیٰ بن عبید، علی بن مہز یار، فضالہ بن ایوب الازدی اور ابان بن عثمان یہ سب راوی شیعوں کے نزدیک ثقہ ہیں۔

دیکھئے مامقانی کی تنقیح المقال (جلد اول)

٢: ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کو اپنے شاگردوں کے سامنے عبداللہ بن سبا اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کے بارے میں اس کے دعویٰ ربوبیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا: اس نے جب یہ دعویٰ کیا تو امیر المومنین (علیہ السلام) نے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے انکار کر دیا تو انھوں نے اُسے آگ میں جلا دیا۔ (رجال کشی ص ١٠٧، روایت: ١٧١، وسندہ صحیح عند الشیعہ)

اس روایت کی سند بھی شیعہ اصول کی رو سے صحیح ہے۔

٣: اسماء الرجال میں شیعوں کے امام کشی نے لکھا ہے:

''ذکر بعض أھل العلم أن عبداللّٰہ بن سبا کان یھودیًا فأسلم ووالی علیاً

(ع) وكان يقول و هو على يهوديته في يوشع بن نون وصيّ موسى بالغلو ، فقال في اسلامه بعد وفات رسول اللّٰه (ص) في علي (ع) مثل ذلك، وكان أول من شهر بالقول بفرض امامة عليّ وأظهر البراء ة من أعدائه وكاشف مخالفيه و أكفر هم فمن ههنا قال من خالف الشيعة :أصل التشيع والرفض مأخوذ من اليهودية ''

بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی (علیہ السلام) سے والہانہ محبت کی، وہ یہودیت میں غلو کرتے ہوئے یوشع بن نون کے بارے میں کہتا تھا: وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے وصی تھے، پھر مسلمان ہونے کے بعد وہ علی (علیہ السلام) کے بارے میں اس طرح کہنے لگا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ وصی ہیں۔

سب سے پہلے علی کی امامت کی فرضیت والاقول اُسی نے مشہور کیا اور آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا، آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی اور انھیں کافر کہا، اس وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں: شیعوں اور رافضیوں کی اصل یہودیت میں سے ہے۔ (رجال کشی ص ۱۰۸، ۱۰۹)

۴: شیعوں کے ایک مشہور امام ابو محمد حسن بن موسیٰ النوبختی نے لکھا ہے:

'' وحكى جماعة من أهل العلم من أصحاب على عليه السلام :أن عبداللّٰه ابن سبأ كان يهوديًا فأسلم و والى عليًا عليه السلام وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون بعد موسى عليه السلام بهذه المقالة فقال في اسلامه بعد وفاة النبي صلى اللّٰه عليه وآله وسلم في علي عليه السلام بمثل ذلك وهو أول من شهر القول بفرض امامة علي عليه السلام و أظهر البراء ة من أعدائه و كاشف مخالفيه فمن هناك قال من خالف الشيعة :أن الرفض مأ خوذ من اليهودية ''

علی علیہ السلام کے شاگردوں (اور متبعین) میں سے علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ

بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی علیہ السلام سے والہانہ محبت کی، وہ اپنی یہودیت میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے بارے میں ایسا کلام کرتا تھا پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد علی علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہی، سب سے پہلے علی علیہ السلام کی امامت کی فرضیت کا قول اس نے مشہور کیا، اس نے آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی، اس وجہ سے جو شیعہ کا مخالف ہے وہ کہتا ہے: رافضیوں کی اصل یہودیت سے نکالی گئی ہے۔ (فرق الشیعہ للنوبختی ص ۲۲)

تنبیہ: یہ نسخہ سید محمد صادق آل بحر العلوم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ مکتبہ مرتضویہ اور مطبعہ حیدریہ نجف (العراق) سے چھپا ہوا ہے۔

۵: شیعوں کے ایک مشہور امام مامقانی نے اسماء الرجال کی کتاب میں لکھا ہے:

''عبداللّٰه بن سبا ملعون حرقه علیؑ'' ''عبداللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی علیہ السلام نے جلا دیا تھا۔ (تنقیح المقال ج ا ص ۱۸۹ راوی نمبر ۶۸۷۲)

۶: ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے لکھا ہے:

''عبداللّٰه بن سبا الذي رجع إلى الكفر و أظهر الغلو''

عبداللہ بن سبا جو کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا۔ (رجال الطوسی ص ۵۱)

۷: حسن بن علی بن داود الحلی نے کہا:

''عبداللّٰه بن سبا ی [جخ] رجع إلى الكفر و أظهر الغلو [كش] كان يدعى النبوة و أن عليًا عليه السلام هو اللّٰه ...''

عبداللہ بن سبا کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا، وہ نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ علی علیہ السلام اللہ ہیں۔ (کتاب الرجال ص ۲۵۴، الجزء الثانی)

۸ تا ۱۰: دیکھئے المقالات والفرق لسعد بن عبداللہ الاشعری القمی (ص ۲۱ بحوالہ الشیعۃ والتشیع للأستاذ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ ص ۵۹)

قاموس الرجال للتستری (ج ۵ ص ۴۶۳ بحوالہ الشیعہ والتشیع)

معجم رجال الحدیث للخوئی (ج ۱۰ ص ۲۰۰ بحوالہ شیعیت تصنیف ڈاکٹر محمد البندراری، مترجم اردو ص ۵۶)

خلاصۃ التحقیق:

معلوم ہوا کہ اہلِ سنت کی مستند کتابوں اور شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے بھی عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں لہٰذا بعض گمراہوں اور کذابین کا چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں ابن سبا کے وجود کا انکار کر دینا بے دلیل اور جھوٹ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۱ جون ۲۰۰۸ء)

اہلِ بیت میں ازواج مطہرات شامل ہیں

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کے اہل بیت کو پاک کر دیا ہے۔ سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۳)

اس پاک کرنے کا کیا مطلب ہے کیوں کہ اس آیت کو بنیاد بنا کر ائمہ معصومین کا عقیدہ گھڑا گیا ہے۔ (ایک سائل)

الجواب: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نزلت فی نساء النبی ﷺ" یہ آیت خاص طور پر نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم و تفسیر ابن کثیر ۳/۴۹۱، دوسرا نسخہ ۵/۱۶۹)

اس کی سند "حسن" ہے، اس کے راوی امام عکرمہ اس بات پر مباہلہ کرنے کو تیار تھے کہ اس آیت سے مراد ازواج نبی ﷺ ہیں۔

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ بیویاں اہل بیت میں شامل ہوتی ہیں۔ (دیکھیں سورۂ ہود: ۷۱۔۷۳)

آیت مذکورہ میں طہارۃ سے معصومین مراد لینا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے نہ تابعین اور نہ ائمہ اہل سنت سے ثابت ہے بلکہ تطہیر سے گناہ، شرک، شیطان، افعالِ خبیثہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے طہارت مراد ہے۔ دیکھئے احکام القرآن للقاضی ابی بکر بن العربی ص ۴۲۹

عقیدہ ائمۂ معصومین صرف روافض کا من گھڑت عقیدہ ہے۔

خلافت راشدہ کے تیس سال

حافظ زبیر علی زئی

اس مضمون میں ہم مشہور حدیث " خلافة النبوة ثلاثون سنة " الخ کی تحقیق وتخریج پیش کررہے ہیں تا کہ عام لوگوں پر بھی حق واضح ہو جائے۔

امام ابوداؤد السجستانی نے کتاب السنن (ج ۲ ص ۲۹۰ کتاب السنہ باب فی الخلفاء ح ۴۶۴۶) امام ابوعیسی الترمذی نے کتاب السنن (ج ۲ ص ۴۶ ، ابواب الفتن باب ماجاء فی الخلافۃ ح ۲۲۲۶) امام ابوعبدالرحمٰن النسائی نے کتاب السنن الکبریٰ (ج ۵ ص ۴۷ ح ۸۱۵۵ کتاب المناقب باب ۵ ، ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین) اور امام ابوحاتم بن حبان البستی نے الصحیح (الاحسان ۶۶۲۳، ۶۹۰۴، موارد الظمآن: ۱۵۳۴، ۱۵۳۵) میں اور دوسرے محدثین نے بہت سی سندوں کے ساتھ سعید بن جمہان سے اس نے سفینہ ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مولی رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ :" خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يؤتي الله الملك من يشاء أو ملكه من يشاء ،
قال سعيد :قال لي سفينة :أمسك عليك، أبا بكر سنتين وعمر عشراً و عثمان اثنى عشر و علياً كذا ،قال سعيد قلت لسفينة :إن هؤ لاء يزعمون أن علياً لم يكن بخليفة قال: كذبت أستاه بني الزرقاء يعني بني مروان "

نبوت والی خلافت تیس سال رہے گی پھر جسے اللہ چاہے گا (اپنی) حکومت دے گا۔

سعید نے کہا: سفینہ نے مجھے کہا: شمار کرو، ابوبکر کے دو سال اور عمر کے دس سال اور عثمان کے بارہ سال اور علی کے اتنے (یعنی چھ سال)

سعید نے کہا: میں نے سفینہ سے کہا: یہ لوگ بزعم خویش کہتے ہیں کہ: علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے۔ تو انہوں نے کہا: ان بنوزرقاء، بنومروان کی پیٹھوں نے جھوٹ کہا ہے (یعنی یہ بات منہ سے نکلنے کے لائق نہیں ہے)

یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ باقی مرویات میں تطویل واختصار کا معمولی اختلاف ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا:

" حديث سفينة في الخلافة صحيح وإليه أذهب في الخلفاء "

سفینہ کی خلافت کے بارے میں حدیث صحیح ہے اور میں خلفاء کے سلسلہ میں اس حدیث کا قائل ہوں۔
(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ج ۲ ص ۲۲۵ نیز دیکھئے کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل ۲/ ۵۹۰ ح ۱۴۰۰)
امام ابن ابی عاصم نے کہا: '' حديث ثابت من جهة النقل ، سعيد بن جمهان روى عنه حماد بن سلمة والعوام بن حوشب و حشرج ''
یہ حدیث بلحاظ نقل ثابت ہے از سعید بن جمہان (از سفینہ) اس سے حماد بن سلمہ، عوام بن حوشب اور حشرج بن نباتہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ (کتاب السنۃ لابن ابی عاصم ج ۲ ص ۵۴۹، ۵۵۰ ح ۱۱۸۱، ۱۱۸۵)
حافظ ابن تیمیہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا (السلسلة الصحيحة للالبانی ج ۱ ص ۷۴۴)
امام حاکم نے بھی اسے صحیح کہا (المستدرک: ۳/ ۷۱)
اس کے راوی سعید بن جمہان کو امام یحیی بن معین، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام احمد نے ثقہ قرار دیا۔ امام ابو داؤد سے بھی اس کی توثیق مروی ہے۔ ابن عدی نے کہا: میرے خیال میں اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے (دیکھئے تھذیب التھذیب: ۴/ ۱۴)
حافظ ذھبی نے کہا: '' صدوق وسط '' (الکاشف ج ۱ ص ۲۸۲)
حافظ ابن حجر نے کہا: '' صدوق له أفراد '' (تقریب التھذیب: ۲۲۷۹)
ان ائمہ کے مقابلے میں امام ابو حاتم الرازی نے کہا: '' يكتب حديثه ولا يحتج به '' یعنی اس کی حدیث لکھی جاتی ہے مگر اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔
یہ جرح متعدد وجوہ سے مردود ہے:
۱: یہ جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔
۲: نصب الرایہ للزیلعی (ج ۲ ص ۴۳۹) پر ہے کہ:
'' وقول أبي حاتم : لايحتج به غير قادح أيضاً فانه لم يذكر السبب وقد تكررت هذه اللفظة منه في رجال كثيرين من أصحاب الصحيح الثقات الأثبات من غير بيان السبب كخالد الحذاء وغيره والله أعلم ''
امام ابو حاتم کا قول: لایحتج بہ، (یہاں) غیر قادح ہے کہ کیونکہ انہوں نے اس جرح کا کوئی سبب بیان نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اس کلمے کا استعمال صحیحین کے بہت سے ثقہ و ثبت راویوں کے بارے میں کیا ہے۔ مثلاً خالد الحذاء وغیرہ، واللہ اعلم
اور حافظ ذھبی نے یہ کہا:
''إذا وثق أبو حاتم رجلاً فتمسك بقوله فانه لايوثق إلا رجلاً صحيح الحديث وإذا لين رجلاً أو

قال فيه : لا يحتج به ، فتوقف حتى ترى ما قال غيره فيه فإن وثقه أحد فلا تبن على تجريح أبي حاتم فإنه متعنت في الرجال قد قال في طائفة من رجال الصحاح :ليس بحجة ، ليس بقوى أو نحو ذلك "

جب امام ابوحاتم کسی شخص کو ثقہ قرار دیں تو اس بات کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو کیونکہ وہ صرف اس شخص کو ثقہ کہتے ہیں جو کہ صحیح الحدیث ہوتا ہے۔اور اگر وہ کسی کی تضعیف کریں یا اس کے بارے میں '' لا يحتج به'' کہیں تو توقف کرو تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اوروں نے کیا کہا ہے؟ اور اگر کسی نے ثقہ کہا ہے تو پھر ابوحاتم کی جرح نہ مانو کیونکہ وہ اسماء الرجال میں متشدد ہیں۔انہوں نے صحیحین کے ایک گروہ کے بارے میں لیس بحجۃ لیس بقوی وغیرہ کہا ہے۔سیر اعلام النبلاء (ج ۱۳ص ۲۶۰)

لہذا یہ جرح مردود ہے۔

۳: امام ابوحاتم پر بعض علماء نے متشدد ہونے کا الزام بھی لگا رکھا ہے۔لہذا احمد بن حنبل جیسے معتدل محققین کے مقابلے میں ان کا قول مردود ہے۔

امام الساجی کا قول '' لا يتابع على حديثه '' بھی مبہم وغیر مفسر ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور یہ کوئی جرح بھی نہیں ہے۔ جب کسی شخص کی عدالت ثابت ہو جائے تو اس کی عدم متابعت چنداں مضر نہیں ہے۔چونکہ سعید بن جمہان کا ثقہ ہونا بدلائل قطعیہ ثابت ہو چکا ہے لہذا اس حدیث میں اس کا تفرد ذرہ بھی مضر نہیں ہے۔

منکرین حدیث کی کارستانیاں:

منکرین حدیث رسول اللہ ﷺ کا اصل مقصد یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کو مکروفریب کے ساتھ جعلی ثابت کر دیا جائے تا کہ عامۃ المسلمین کے اذہان میں دواوین اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات اور عدم اعتماد بیٹھ جائے پھر یہ مکار مداری ان سادہ لوح عوام کو صراط مستقیم سے اپنی آراء کی لاٹھی کے ساتھ دُور ہانکتے جائیں۔پھر نہ حدیث بچے اور نہ قرآن!

انہی منکرین حدیث میں سے ایک شخص ''تمنا عمادی پھلواری'' اپنی خود ساختہ کتاب ''انتظار مہدی ومسیح'' میں اس حدیث پر طعن وتشنیع کے تیر چلاتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس سلسلہ روایت میں حشرج بن نباتۃ الکوفی کا نام آپ نے دیکھا۔یہ تقریباً تمام ائمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ منکر الحدیث ہے اور ان کی حدیثوں کی متابعتیں عموماً نہیں ملتیں'' (ص ۵۷)

عرض ہے کہ حشرج بن نباتہ کے بارے میں امام احمد نے کہا: ثقہ، ابن معین نے کہا: صالح ، ثقة ليس به بأس ، ابو زرعہ نے کہا: لا بأس به مستقيم الحديث ، ابن عدی نے کہا: لا بأس به ، ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا، ان کے مقابلے میں ابوحاتم نے کہا: صالح يكتب حديثه ولا يحتج به ، الساجی نے کہا: ضعيف ، ابن حبان نے

کہا: کان قلیل الحدیث منکر الروایة لایجوز الإحتجاج بخبره إذا انفرد، نسائی نے ایک دفعہ لیس بالقوی کہہ کر جرح کی اور دوسری دفعہ لیس به بأس کہہ کر اس کی توثیق کی (ملخصاً من تہذیب التہذیب) حاکم اور ذہبی نے اس کی ایک حدیث کی تصحیح کی

(مستدرک ج ۳ ص ۲۰۶) اسے علی (غالباً ابن المدینی) نے بھی ثقہ کہا (میزان الاعتدال ج ا ص ۱۵۵) حافظ ابن حجر نے کہا: صدوق یهم (تقریب!)

خلاصہ یہ کہ یہ راوی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے۔لہذا تمنا عمادی اپنے اس دعوی میں کاذب ہے کہ ''یہ تقریباً تمام ائمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث ۔۔۔ ہیں''

تمنا عمادی کی کتاب میں اتنے زیادہ جھوٹ ہیں کہ ان کے جمع کرنے سے ایک کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔مثلاً اسی کتاب کے ص ۵۴ پر یہ شخص لکھتا ہے:

''یمن میں معمر بن راشد جواز دیوں کے غلام آزاد کردہ تھے متوفی ۱۵۴ھ جمع حدیث میں سرگرم رہے یہ آبان بن عباس مشہور کذاب سے روایت کرتے تھے،مگر آبان کی جگہ ثابت البنانی کا نام ظاہر کرتے تھے (تہذیب التہذیب ج اص ۱۰۱) مگر پھر محدثین ان کو پھر ثقہ ہی سمجھتے اور لکھتے ہیں''

اب نکالئے تہذیب التہذیب کا محولہ بالا صفحہ،تو اس میں لکھا ہوا ہے کہ:

''وحکی الخلیلي في الإرشاد بسند صحیح أن أحمد قال لیحیی بن معین وهو یکتب عن عبد الرزاق عن معمر عن أبان نسخة تکتب هذه وأنت تعلم أن أبان کذاب ؟فقال یرحمك الله یا أباعبد الله! أکتبها وأحفظها حتی إذاجاء کذاب یرویها عن معمر عن ثابت عن أنس أقول له: کذبت إنما هو أبان''

اور خلیلی نے الارشاد میں صحیح سند کے ساتھ احمد سے نقل کیا کہ انہوں نے ابن معین سے اس وقت کہا جب وہ عبدالرزاق عن معمر عن ابان کا نسخہ لکھ رہے تھے۔آپ یہ لکھ رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ ابان کذاب ہے؟ تو ابن معین نے کہا: اے ابوعبداللہ آپ پر رحم کرے میں اسے یاد کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں تا کہ اگر (تمنا عمادی جیسا) کوئی کذاب آئے اور اسے معمر عن ثابت عن انس سے روایت کرے تو میں اسے کہہ دوں کہ تو نے جھوٹ کہا۔معمر کی یہ روایات تو ابان کی سند کے ساتھ ہیں نہ کہ ثابت کی سند سے۔(تہذیب ج اص ۱۰۱)

اب قارئین بتائیں کہ اس میں معمر کا کیا گناہ ہے انہوں نے جو سنا آگے بیان کر دیا۔اس نے ابان کی جگہ ابان کا نام ظاہر کیا اور ثابت کی جگہ ثابت کا نام،لہذا محدثین انہیں ثقہ نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں،مگر تمنا عمادی جیسے کذابین کی زبانیں اور قلم آزاد ہیں۔وہ چاہیں تو دن کو رات اور رات کو دن ثابت کر دیں مگر یادرکھیں ایک دن روز جزا ضرور آنے والا ہے۔اور پھر چھوٹے بڑے تمام اعمال کا حساب دینا پڑے گا!

یہ تو حشرج بن نباتہ کے بارے میں صحیح موقف کی تحقیق تھی یہاں یہ بھی یاد رہے کہ وہ اس حدیث میں منفرد نہیں ہیں بلکہ درج ذیل اشخاص نے ان کی متابعت کر رکھی ہے۔

۱: عبدالوارث (ابوداؤد: ۴۶۴۶)

۲: العوام بن حوشب (ایضاً: ۴۶۴۷)

۳: حماد بن سلمہ (مسند احمد ج۵ ص۲۲۰، ۲۲۱)

لہذا حشرج پر جرح ہر لحاظ سے مردود ہے۔

اس حدیث کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

" وهو حديث مشهو ر من رواية حمادبن سلمة و عبد الوارث بن سعيد والعوام بن حوشب وغيره عن سعيد بن جمهان ـ. واعتمد عليه الإمام أحمد وغيره في تقرير خلافة الخلفاء الراشدين الأربعة ، وثبته أحمد، واستدل به على من توقف في خلافة علي :من أجل افتراق الناس عليه ، حتى قال أحمد :من لم يربع بعلي في الخلا فة فهو أضل من حمار أهله ، ونهى عن مناكحته ، وهو متفق عليه بين الفقهاء وعلماء السنة وأهل المعرفة والتصوف وهو مذهب العامة"

" وإنما يخالفهم في ذلك بعض (أهل) الأهواء من أهل الكلام ونحوهم كا لرافضة الطاعنين في خلافة الثلاثة أوالخوارج الطاعنين في خلافة الصهرين المنافيين :عثمان و علي أو بعض الناصبة النافين لخلافة علي أو بعض الجهال من المتسننة الواقفين في خلافته "

اور یہ حدیث حماد بن سلمہ، عبدالوارث بن سعید اور العوام بن حوشب وغیرہ کی روایت کے ساتھ مشہور ہے انہوں نے سعید بن جمہان سے یہ روایت کی ہے۔۔ اور اس روایت پر امام احمد وغیرہ نے چاروں خلفائے راشدین کی خلافت کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے اور احمد نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ اور ان لوگوں پر یہ حجت پیش کی ہے جو علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں توقف کرتے ہیں کیونکہ اس وقت لوگوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا تھا حتی کہ (امام) احمد نے کہا: جو شخص علی کو چوتھا خلیفہ نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے زیادہ گمراہ ہے اور احمد نے ایسے شخص کے ساتھ رشتہ نکاح کرنے سے منع کیا اور یہ بات فقہاء، علمائے سنت اور (دین کی) پہچان والے اور صالحین کے درمیان متفق علیہ ہے اور یہی عوام کا مذھب ہے اور اس عقیدہ میں ان کی مخالفت بعض بدعتیوں نے کی ہے اہل کلام میں مثلاً روافض جو کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں طعن کرتے ہیں اور خوارج نے جو کہ نبی ﷺ کے دونوں دامادوں عثمان و علی کی خلافت میں طعن کرتے ہیں یا بعض ناصبیوں نے جو کہ علی کی خلافت میں طعن کرتے ہیں یا ان نام نہاد سنی جاہلوں نے جو کہ علی کی خلافت میں توقف کرتے ہیں۔ (مجموع فتاوی ج۳۵ ص۱۸، ۱۹)

اس حدیث کو درج ذیل علماء نے صحیح، حسن وقوی قرار دیا ہے:

۱: احمد بن حنبل

۲: الترمذی

۳: ابن جریر الطبری

۴: ابن ابی عاصم

۵: ابن حبان

۶: الحاکم

۷: ابن تیمیہ

۸: الذھبی

۹: ابن حجر العسقلانی (السلسلۃ الصحیحہ ۸۲۰/۱ ح ۴۵۹) والحمدللہ

بعض علماء نے اس حدیث کے دو شاہد بھی ذکر کئے ہیں:

۱: عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ (ج ۶ ص ۳۴۲ وسندہ ضعیف، فیہ علی بن زید بن جدعان: ضعیف)

۲: عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (الواحدی فی الوسیط بحوالہ: الصحیحہ ص ۸۲۰ ج ۱ وسندہ ضعیف)

فائدہ نمبر (۱): بعض متاخرین نے دعوی کیا ہے کہ سفینہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح مسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جسے جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے کہ:

'' إن هذا الأمر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة... كلهم من قريش ''

یہ دین ختم نہیں ہوگا حتی کہ اس میں بارہ خلیفہ نہ ہوگزریں... (اور وہ) سارے کے سارے قریش میں سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش ح ۱۸۲۱، وأصله في صحيح البخاري: ۷۲۲۲، ۷۲۲۳)

حالانکہ یہ اعتراض معترض کی کم علمی کا واضح ثبوت ہے کیونکہ ان دونوں صحیح حدیثوں میں تطبیق ممکن ہے۔ حدیث سفینہ سے مراد خلافت راشدہ اور خلافت علی منہاج النبوۃ ہے اور حدیث جابر سے مراد مطلق خلافت ہے۔ لہذا حدیث اول میں خلافت راشدہ بعد از ''ثلاثین سنۃ'' کی نفی ہے اور دوئم میں خلافت غیر راشدہ کا اثبات لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اسی تطبیق کی طرف اشارہ کیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۱۳ ص ۲۱۲ تحت الحدیث: ۷۲۲۳) اور حافظ ابن تیمیہ نے مجموع فتاوی میں، اور یہی صواب ہے مزید تفصیل کے لئے ناصر الدین البانی کی کتاب السلسلہ الصحیحہ (۸۲۰/۱ - ۸۲۹ حدیث ۴۵۹) کا مطالعہ فرمائیں انہوں نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔

فائدہ نمبر (۲) حکیم فیض عالم صدیقی اپنی کتاب ''حقیقت مذہب شیعہ'' ص ۲۴ پر لکھا ہے:

''اس موقعہ کے لئے کسی من چلے نے حدیث سفینہ گھڑی جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کر کے دنیائے رفض کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھیار تھما دیا۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں خلافت تیس برس رہے گی اور پھر ملک ہو جائے گا۔''

فیض عالم صدیقی ناصبی صاحب کی اس عبارت پر تین اعتراضات ہیں:

نمبر (۱): یہ حدیث کسی من چلے نے گھڑی نہیں بلکہ ثقہ وصادق راوی جناب سفینہ صحابی رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اور اس ثقہ راوی سے بہت سے ثقہ راویوں نے یہ حدیث سن کر آگے بیان کر دی۔ لہذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

نمبر (۲): صحیح مسلم میں کہیں بھی یہ حدیث موجود نہیں ہے۔ لہذا فیض عالم صدیقی کا یہ صحیح مسلم پر بہتان ہے۔

میں کہتا ہوں جو شخص امیر المؤمنین علی کی خلافت کو نام نہاد کہتا ہو (دیکھئے سادات بنی رقیہ ص ۴۶) اور ثقہ امام زھری پر طعن کرتا ہو (دیکھئے سادات بنی رقیہ ص ۱۱۳) اسے کب شرم آتی ہے کہ صحیح مسلم پر تو جھوٹ نہ بولے۔ ان لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہی جھوٹ، مغالطہ دہی اور تاریخ کی موضوع روایات پر اندھا دھند اعتماد ہے۔

نمبر (۳): میں پوچھتا ہوں کہ اس حدیث سے دنیائے رفض وکذب کے ہاتھ میں کون سا ہتھیار آ گیا ہے؟ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ تینوں خلفائے راشدین علی منھاج النبوۃ میں سے تھے۔ بتایئے وہ کون سا رافضی ہے جو ان خلفائے ثلاثہ کو خلفاء علی منھاج النبوۃ سمجھتا ہے؟!

بلکہ اس حدیث سے تو عقیدہ رفض کا خاتمہ ہو جاتا ہے! والحمد للہ

وما علینا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

(23-7-93)

مولانا ارشاد الحق اثری

مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا موقف

امام محمد بن الحسین الآجری کا فرمان:

امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ آجری المتوفی ۳۶۰ھ نے اپنی معروف کتاب ''کتاب الشریعۃ'' میں (باب نمبر ۲۵۷ ص ۹۳۲ نسخہ مرقمہ) باب یہی قائم کیا ہے۔ ''باب ذکر الکف عما شجر بین أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ورحمۃ اللّٰہ علیہم أجمعین '' کہ یہ باب اس کے متعلق ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے اختلافات سے گریز کیا جائے اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں ہوں۔'' امام آجری نے اس باب میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور اپنے اس موقف پر بہت سے دلائل ذکر کئے ہیں جو دس صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان دلائل سے قطع نظر ہم یہاں صرف ان کے موقف کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''فضائل صحابہ کرام واہلِ بیت کے سلسلے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس پر غور وفکر کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ان سب سے محبت کرے ان کے بارے میں رحمت اور بخشش کی دعاء کرے اور ان کی محبت کو اللہ کے ہاں اپنے لئے وسیلہ بنائے، ان کے مابین جو اختلافات ہوئے ہیں، ان کو ذکر نہ کرے نہ ان کی چھان بین کرے اور نہ ہی ان پر بحث کرے ہمیں تو ان کے بارے میں استغفار کرنے اور ان کے حق میں رحمت کی دعا کرنے، ان سے محبت اور ان کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید، احادیث رسول اور ائمہ مسلمین کے اقوال اس پر دال ہیں۔ ہمیں ان کے مابین مشاجرات کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت اور رشتہ کا شرف حاصل ہے ان کے اسی شرف صحبت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دینے کا اعلان فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں اس بات کی ضمانت دی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو قیامت کے دن شرمسار نہیں کروں گا، ان کے اوصاف کا اللہ تعالیٰ نے تورات وانجیل میں تذکرہ کیا ہے اور ان کی بہترین تعریف کی ہے، ان کی توبہ کا اور اپنی رضا وخوشنودی کا ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میں تو ان مشاجرات کے بارے میں محض اپنی معلومات میں اضافہ چاہتا ہوں تا کہ میں ان حالات سے بچ سکوں جن میں وہ مبتلا ہوئے ہیں، تو اسے سمجھایا جائے گا کہ تم تو فتنہ کے طلب گار ہو کیونکہ تم ایسی بات کے درپے ہو جو تمہارے لئے نقصان کا باعث ہے، کسی فائدہ کی اس سے کوئی توقع نہیں۔ اس کی بجائے اگر تم فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کی صورت میں اپنی اصلاح کی کوشش کرتے تو یہ تمہارے لئے بہتر تھا بالخصوص اس دور میں جب کہ بدعات

ضالہ عام ہورہی ہیں، لہذا تمہارے لئے یہی بہتر تھا کہ تم اپنے کھانے پینے، اپنے لباس کی فکر کرو کہ یہ کہاں سے آیا ہے، یہ روپیہ پیسہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کہاں خرچ کیا جارہا ہے، نیز ہمیں اس بارے میں بھی خطرہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں تمہاری چھان بین اور بحث وتکرار کے نتیجہ میں تمہارا دل بدعت کی طرف مائل ہوجائے گا شیطان کے ہاتھوں تم کھیلنے لگو گے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ ان سے محبت کرو، ان کے لئے بخشش طلب کرو اور ان کی اتباع کرو، اگر تم ان کو برا کہنے لگو گے، اور ان سے بغض ونفرت کرنے لگو گے، باطل راستہ پر چل نکلو گے، جو شخص بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وتوصیف کرتا ہے بعض کی مذمت کرتا ہے اور ان پر طعن وتشنیع کرتا ہے وہ فتنہ میں مبتلا ہے کیونکہ اس پر تو سب صحابہ کرام سے محبت اور سب کے بارے میں استغفار واجب ہے۔ (الشریعہ ص ۲۴۸۵، ۲۴۹۱ ج ۵)

امام ابوبکر الآجری رحمہ اللہ کے اس کلام پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ۔ بلاریب مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بحث وتکرار کا نتیجہ وہی ہے جس کی نشاندہی انہوں نے کی ہے، اور اسی سے دیگر علمائے امت نے بتکرار خبردار کیا۔''

[مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا موقف ص ۴۱، ۴۲]

''امام نووی کا فرمان:

امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ شرح صحیح مسلم میں رقم طراز ہیں:

''ومذهب أهل السنة والحق إحسان الظن بهم والإمساک عما شجر بينهم وتاويل قتالهم، وإنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولا محض الدنيا، بل اعتقدوا كل فريق أنه المحق ومخالفه باغ فوجب قتاله ليرجع الى أمر الله، وكان بعضهم مصيباً و بعضهم مخطئاً معذوراً في الخطأ لأنه باجتهاد ولمجتهد إذاأخطألاإثم عليه وكان على رضى الله عنه هوالمحق المصيب في ذلک الحروب هذا مذهب أهل السنة وكانت القضايا مشتبة حتى أن جماعة من الصحابة تحيروا فيها فاعتزلواالطائفتين ولم يقاتلوا ولو تيقنواالصواب لم يتأخروا عن مساعدته''

(شرح صحیح مسلم ص ۳۹۰ ج ۲، کتاب الفتن، باب إذاالتقى المسلمان بسيفيهما إلخ)

''اہلِ سنت اور اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے۔ ان کے آپس کے اختلافات میں خاموشی اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کی جائے۔ وہ بلاشبہ سب مجتہد اور صاحب رائے تھے معصیت اور نافرمانی ان کا مقصد نہ تھا اور نہ ہی محض دنیا طلبی پیش نظر تھی، بلکہ ہر فریق یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا باغی ہے، اور باغی کے ساتھ لڑائی ضروری ہے تاکہ وہ امر الٰہی کی طرف لوٹ آئے، اس اجتہاد میں بعض راہ صواب پر تھے اور بعض خطا پر تھے، مگر خطا کے باوجود وہ معذور تھے کیونکہ اس کا سبب اجتہاد تھا اور مجتہد خطا پر بھی گنہگار نہیں

ہوتا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اہلِ سنت کا یہی موقف ہے، یہ معاملات بڑے مشتبہ تھے یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس پر حیران و پریشان تھی جس کی بنا پر وہ فریقین سے علیحدہ رہی اور قتال میں انہوں نے حصہ نہیں لیا، اگر انہیں صحیح بات کا یقین ہو جاتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاونت سے پیچھے نہ رہتے۔''

علامہ نووی رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان فرمایا تھوڑی سی تفصیل سے اہلِ سنت کا یہی موقف انہوں نے ''کتاب فضائل الصحابہ'' کے اوائل میں بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بالا جماع صحیح ہے، اپنے وقت میں وہ خلیفہ تھے ان کے علاوہ کسی کی خلافت نہیں تھی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فضلاء اور نجباء صحابہ میں سے تھے ان کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں اس کی وجہ یہ شبہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی حقانیت کا اعتقاد رکھتا تھا یہ سبھی عادل ہیں جنگوں اور دیگر اس قسم کے معاملات میں متاول ہیں، ان میں سے کوئی چیز ان میں سے کسی کو عدالت سے خارج نہیں کرتی اس لئے کہ وہ سب مجتہد تھے، ان مسائل میں جو محل اجتہاد ہیں ان میں باہم اسی طرح اختلاف ہو گیا جس طرح ان کے بعد میں دوسرے مجتہدین قصاص وغیرہ مسائل میں مختلف ہو گئے۔ ان باتوں کے سبب کسی میں کوئی نقص نہیں، ان کے باہم لڑنے کا سبب یہ تھا کہ معاملات کچھ الجھن کا شکار ہو گئے جس کی وجہ سے ان کے اجتہاد میں اختلاف کے نتیجہ میں تین گروہ بن گئے۔ ایک گروہ سمجھتا تھا کہ میں حق پر ہوں دوسرا باغی ہے اور باغی سے قتال ضروری ہے، دوسرا گروہ اس کے برعکس مدعی تھا کہ وہ حق پر ہے اور ان کا مدمقابل باغی ہے، تیسرا گروہ وہ تھا جن کے نزدیک معاملہ مشکل تھا وہ دونوں میں سے کسی کے موقف کو راجح نہ سمجھ سکے تو دونوں سے علیحدہ ہو گئے، اگر ان کے نزدیک واضح ہو جاتا کہ فلاں فریق حق پر ہے تو وہ اس کی تائید میں پیچھے نہ رہتے، اس لئے یہ سب حضرات معذور ہیں اور اہلِ حق اس پر متفق ہیں کہ وہ عادل ہیں اور ان کی روایت و شہادت مقبول ہے۔'' (شرح مسلم ص ۲۷۲ ج ۲) '' [مشاجراتِ صحابہ اور سلف کا موقف ص ۶۰، ۶۱]

ادارہ کی طرف سے چند اہم ہدایات

(۱) رسالہ ''الحدیث'' منگوانے کے لئے رقم پیشگی ارسال کرنا لازمی شرط ہے۔

(۲) رسالہ بذریعہ وی پی قطعاً نہیں بھیجا جاتا، لہذا بذریعہ وی پی منگوانے کی زحمت نہ کریں۔

(۳) جو حضرات ''الحدیث'' کے لئے مضمون لکھنا چاہتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ ہر بات باحوالہ، مدلل اور محقق تحریر کریں ورنہ اس کو شائع نہیں کیا جائے گا۔

(۴) بذریعہ خط مسائل پوچھنے والے صاحبان صرف ایک ہی سوال لکھا کریں زیادہ سوالات لکھنے کی صورت میں صرف ایک سوال کا جواب دیا جائے گا۔

(۵) جوابی لفافہ ضرور ارسال کیا کریں۔ بصورت دیگر جواب نہیں دیا جائے گا۔

(۶) حافظ زبیر علی زئی صاحب سے بذریعہ فون روزانہ صبح ۸ تا ۱۱ بجے مسائل پوچھے جا سکتے ہیں۔ دیگر اوقات میں فون سننے کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

(۷) حافظ صاحب سے ملاقات کے لئے صرف اتوار کے دن تشریف لائیں۔

فضل اکبر کاشمیری
نائب مدیر ''الحدیث'' حضرو

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

متعۃ النساء حرام ہے

سوال ایک شیعہ نے سوال پوچھا ہے کہ متعہ حرام ہے تو لونڈی سے بغیر نکاح کئے ہم بستری کرنا، کیا جائز کام ہے؟ (محمد انور، راولپنڈی)

الجواب امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب اور حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب دونوں سے روایت بیان کی، اُن دونوں نے اپنے والد (امام) محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ (ابن الحنفیہ) سے روایت بیان کی، انھوں نے اپنے والد (سیدنا امیر المومنین) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ

''أنّ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن متعۃ النساء یوم خیبر .'' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے متعہ سے منع فرما دیا۔ (موطأ امام مالک روایۃ یحییٰ ۵۴۲/۲ ح ۱۱۷۸، روایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۶۴ وسندہ صحیح، الزہری صرح بالسماع. کتاب الام للشافعی ۷۹/۵ ح ۱۶۳۴، مسند احمد ۷۹/۱ ح ۵۹۲، صحیح بخاری: ۵۱۱۵ باختلاف یسیر وسندہ صحیح، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، ترقیم دارالسلام: ۳۴۳۱)

اس حدیث کے راوی محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ (عرف ابن الحنفیہ): ''ثقۃ عالم'' تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۶۱۵۷)

مامقانی شیعہ نے بھی انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے تنقیح المقال (ج ۱ص ۱۳۳ ت ۱۰۴۳۳)

عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ ثقہ تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۵۹۳)

انھیں ابن سعد، امام عجلی اور حافظ ابن حبان وغیرہم نے ثقہ کہا ہے۔ دیکھئے طبقات ابن سعد (۳۲۸/۵) تاریخ العجلی (۸۸۱) اور کتاب الثقات لابن حبان (۲/۷)

حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ ثقہ فقیہ تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۲۸۴)

انھیں امام عجلی (الثقات / التاریخ: ۲۸۶) اور حافظ ابن حبان (الثقات ۱۲۲/۴) نے ثقہ قرار

دیا۔امام دارقطنی نے فرمایا:'' وهو صحيح الحديث ''اور وہ صحیح حدیثیں بیان کرنے والے تھے۔ (المؤتلف والمختلف ۷۴۸/۲)

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے عبداللہ اور حسن دونوں سے ''أخبرني '' کہہ کر سماع کی تصریح کردی۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۵۱۱۵)

اس صحیح حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی صحیح حدیثوں سے شیعوں والے متعہ (متعة النساء) کا حرام ہونا ثابت ہے۔مثلاً:

۱) سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ کے بعد) اَوطاس والے سال تین (دن) متعہ کی اجازت دی پھر اس کے بعد اس سے منع کردیا۔

(صحیح مسلم:۱۴۰۵،ترقیم دارالسلام:۳۴۱۸)

۲) سیدنا سبرہ بن معبد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يا أيها الناس !إني قد كنتُ أذنتُ لكم في الإستمتاع من النساء و إنّ الله قد حرّم ذلك إلى يوم القيامة .)) اے لوگو! میں نے تمھیں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور بے شک اللہ نے اُسے قیامت کے دن تک حرام قرار دیا ہے۔(صحیح مسلم:۱۴۰۶،ترقیم دارالسلام:۳۴۲۲)

یہ حدیث انھوں (سیدنا سبرہ رضی اللہ عنہ) نے (بیت اللہ) کے رکن اور دروازے کے پاس بیان کی تھی۔

۳) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نکاح،طلاق،عدت اور میراث نے متعہ کو حرام اور ختم کردیا ہے۔

(صحیح ابن حبان،الاحسان:۴۱۳۷ وسندہ حسن،دوسرا نسخہ:۴۱۴۹،الموارد:۱۲۶۷)

اس حدیث کے راوی مؤمل بن اسماعیل رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے لہٰذا اُن پر جرح مردود ہے اور اُن کی حدیث امام سفیان ثوری سے صحیح اور دوسروں سے حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ (دیکھئے میری کتاب:علمی مقالات ج۱ص۴۱۷۔۴۲۶)

٤) امام سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے (سیدنا) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: حرام ہے۔ اُس نے کہا: فلاں تو اس میں یہ کہتا ہے۔ پس انھوں (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ''واللّٰہ! لقد علم أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم حرّمھا یوم خیبر و ما کنا مسافحین . ''اللہ کی قسم! وہ جانتا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خیبر والے دن حرام قرار دیا تھا اور ہم زانی نہیں تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۲۰۲ وسندہ صحیح)

۵) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین دفعہ متعہ کی اجازت دی تھی پھر اسے حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی شادی شدہ شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اُس نے متعہ کیا ہے تو میں اُسے رجم کروں گا...

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۳، وسندہ حسن، البحر الزخار للبزار: ۱۸۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ متعۃ النساء کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ صحیح روایت میں آیا ہے: علی رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا کہ وہ متعۃ النساء کو جائز سمجھتا ہے تو (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: ''إنك امرؤ تائہ ''تو بیوقوف آدمی ہے۔ (مسند ابی عوانہ ۲/۲۷ ح ۳۲۹۸ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۲۰۲ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے صحیح مسلم: ۱۴۰۷ بترقیم دارالسلام: ۳۴۳۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عورتوں والے متعہ سے منع کیا۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۴۰۵، دارالسلام: ۳۴۱۷)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی متعۃ النساء کے سخت مخالف تھے۔

دیکھئے صحیح مسلم (۱۴۰۶، دارالسلام: ۳۴۲۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پہلے متعۃ النساء کو جائز سمجھتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا لہٰذا اُن کی طرف سے جواز کا فتویٰ منسوخ ہے۔

مشہور ثقہ تابعی امام ربیع بن سبرہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''ما مات ابن عباس حتی رجع عن ھذہ الفتیا ''ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فوت ہونے سے پہلے اس (متعۃ النکاح کے) فتوے سے رجوع کر لیا تھا۔ (مسند ابی عوانہ طبعہ جدیدہ ج ۳ ص ۲۷۳ ح ۳۲۸۴ وسندہ صحیح)

فائدہ: امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اشهدوا أني قد رجعتُ عنها'' گواہ رہو کہ میں نے اس (متعۃ النکاح) سے رجوع کرلیا ہے۔

(مسند ابی عوانہ ۲/۲۷۹ ح ۳۳۱۳ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے رجوع کرنے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا متعۃ النساء کی حرمت پر اجماع ہوگیا۔ دیکھئے شرح معانی الآثار للطحاوی (۲/۲۷، دوسرا نسخہ ۳/۲۷)

مشہور ثقہ تابعی امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نسخ المتعةَ الميراثُ'' متعہ کو میراث نے منسوخ کر دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۹۲ ح ۱۷۰۶۴، وسندہ صحیح)

امام مکحول الشامی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ایک آدمی نے ایک عورت سے خاص مقرر وقت تک کے لئے نکاح (یعنی متعہ) کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''ذلك الزنا'' یہ زنا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۹۴ ح ۱۷۰۷۲، وسندہ صحیح)

یہ ہیں وہ روایات، اجماعِ صحابہ اور آثار جن کی بنا پر متعۃ النساء کو اہلِ سنت حرام کہتے ہیں۔

شیعہ (روافض، سبائیہ) کی کتبِ روایات میں بھی حُرمتِ متعہ کی روایات موجود ہیں۔

مثلاً ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا: ''حرّم رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و آله، لحوم الحمر الأهلية و نكاح المتعة'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے گھریلو گدھوں کے گوشت اور نکاحِ متعہ کو حرام قرار دیا۔ (الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ج ۳ ص ۱۴۲، نیز دیکھئے زیدی شیعوں کی مسند زید ص ۲۷۱)

طوسی نے اس روایت کو التقیہ پر محمول کیا ہے لیکن ہمارے لئے طوسی کا کلام حجت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حجت ہے لہٰذا یہ عبارت تقیے پر محمول نہیں بلکہ حرمتِ متعہ پر واضح دلیل ہے، نیز اس روایت کو طوسی کا شاذ قرار دینا بھی غلط ہے کیونکہ یہ روایت صحیح احادیث کے بالکل مطابق ہے۔

تنبیہ: شیعہ کا درج بالا حوالہ بطورِ الزام پیش کیا گیا ہے، ہمارے لئے اہلِ سنت کی کتبِ احادیث کی روایاتِ معتبرہ کافی ہیں اور شیعہ کتبِ روایات پر ان کے موضوع، مردود اور

ضعیف ہونے کی وجہ سے کوئی اعتماد نہیں اِلا یہ کہ وہ روایات اہلِ حق کی بیان کردہ احادیثِ صحیحہ کے موافق ہوں۔

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ما رأیتُ قومًا أشبه بالنصاریٰ من السبئیة ''میں نے (اپنے زمانے میں) سبائیوں سے زیادہ نصاریٰ سے مشابہ کوئی قوم نہیں دیکھی۔ اس اثر کے راوی امام احمد بن یونس رحمہ اللہ نے فرمایا: ''هم الرافضة '' وہ (یعنی سبائیوں سے مراد) رافضی ہیں۔ (الشریعۃ للآجری ص ۹۵۵ ح ۲۰۲۸ وسندہ صحیح)

اب سوال کے دوسرے حصے کا جواب پیشِ خدمت ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ o ﴾ اور وہ (مومنین) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے، پس اس میں اُن پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ پھر جس نے اس کے علاوہ کوئی دوسری (چیز) طلب کی تو یہی لوگ سرکش ہیں۔ (المومنون: ۵۔۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مالک کا اپنی زرخرید لونڈی سے جماع کرنا جائز ہے اور وہ اس کی بیوی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے اس کے لئے حلال ہے۔

یاد رہے کہ سابقہ زمانوں میں لونڈیاں اور غلام ہوتے تھے۔ لونڈی کا خریدنا ہی اس کے ساتھ نکاح ہے اِلا یہ کہ اس کا مالک کوئی تخصیص کردے۔

عصرِ حاضر میں اسلامی حکومت (خلافتِ اسلامیہ) کے خاتمے اور بعض وجوہ (اعذار) سے دنیا میں غلام اور لونڈیاں موجود نہیں ہیں۔ آیتِ مذکورہ کے الفاظ سے دو قسم کے ازدواجی تعلقات کا ثبوت واضح ہے: ① بیویاں ② لونڈیاں

ان کے علاوہ متعۃ النساء اور مشت زنی وغیرہ کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ ﴾ کی رُو سے یہ حرام ہیں۔ متعۃ النساء بعض خاص مقامات پر عارضی طور پر جائز ہوا تھا پھر بعد میں اسے منسوخ کرکے قیامت تک کے لئے حرام کردیا گیا۔ (۱۴/جنوری ۲۰۱۰ء)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

اُمّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا؟
اہلِ سنت اور شیعہ دونوں فریقوں کی کتابوں سے تحقیق کر کے ثبوت پیش کریں۔

(ایک سائل)

الجواب جی ہاں! یہ نکاح ثابت ہے اور اس کے مستند حوالے فریقین کی کتابوں سے پیشِ خدمت ہیں:

۱: ثعلبہ بن ابی مالک (القرظی) رحمہ اللہ ورضی عنہ سے روایت ہے کہ
''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین میں کچھ چادریں تقسیم کیں۔ ایک نئی چادر بچ گئی تو بعض حضرات نے جو آپ کے پاس ہی تھے کہا: یا امیر المومنین! یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو دے دیجئے، جو آپ کے گھر میں ہیں۔ ان کی مراد (آپ کی بیوی) ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا سے تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں۔'' الخ

(صحیح بخاری: ۲۸۸۱، ترجمہ محمد داود راز، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ۴/ ۲۱۲)

صحیح بخاری کے اس حوالے سے ثابت ہوا کہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔

۲: نافع مولیٰ ابن عمر سے روایت ہے کہ'' **ووضعت جنازة أم كلثوم بنت علي امرأة عمر بن الخطاب و ابن لها يقال له زيد ...** ''
اور عمر بن خطاب کی بیوی ام کلثوم بنت علی کا جنازہ رکھا گیا اور اس کے بیٹے کا جنازہ رکھا گیا جسے زید (بن عمر بن الخطاب) کہتے تھے۔

(سنن النسائی ۴/۷۱۔۷۲ ح ۱۹۸۰، وسندہ صحیح وصححہ ابن الجارود بروایۃ: ۵۴۵ وحسنہ النووی فی المجموع ۵/۲۲۴ و قال ابن حجر فی التلخیص الحبیر ۲/۱۴۶ ح ۸۰۷: "و إسنادہ صحیح")

نیز دیکھئے میری کتاب: نور العینین (ص ۱۱۳)

۳: مشہور ثقہ تابعی امام الشعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ

"عن ابن عمر أنه صلّى على أخيه و أمه أم كلثوم بنت علي ... "

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بھائی (زید بن عمر) اور اُس کی والدہ ام کلثوم بنت علی (رحمہما اللہ) کا جنازہ پڑھا... (مسند علی بن الجعد: ۵۹۳ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۵۷۴)

امام شعبی سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے ام کلثوم بنت علی اور ان کے بیٹے زید (یعنی اپنے بھائی) کا جنازہ پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۱۵ ح ۱۱۵۷۴، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۱۱۶۹۰)

۴: عبداللہ البہی رحمہ اللہ (تابعی صدوق) سے روایت ہے کہ "شهدت ابن عمر صلّى على أم كلثوم و زيد بن عمر بن الخطاب .. " میں نے دیکھا کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے ام کلثوم اور زید بن عمر بن الخطاب کا جنازہ پڑھا... (طبقات ابن سعد ۸/۴۶۴ وسندہ حسن)

اس جنازے کے بارے میں عمار بن ابی عمار (ثقہ وصدوق) نے کہا کہ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ (طبقات ابن سعد ۸/۴۶۵ وسندہ صحیح)

۵: درج بالا چار صحیح روایات کی تائید میں ائمہ اہلِ بیت اور علمائے کرام کے کچھ اقوال اور مزید حوالے پیشِ خدمت ہیں:

امام علی بن الحسین: زین العابدین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ " أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه خطب إلى علي رضي الله عنه أم كلثوم فقال: أنكحنيها، فقال علي: إني أرصدها لابن أخي عبدالله بن جعفر فقال عمر: أنكحنيها فوالله ما من الناس أحد يرصد من أمرها ما أرصده، فأنكحه علي فأتى عمر المهاجرين فقال: ألا تهنوني؟ فقالوا: بمن يا أمير المؤمنين؟ فقال:

بأم کلثوم بنت علي و ابنة فاطمة بنت رسول الله ﷺ ...''

بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا، کہا: اس کا نکاح میرے ساتھ کردیں۔ تو علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں اسے اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) کے لئے تیار کررہا ہوں۔ پھر عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: اس کا نکاح میرے ساتھ کردیں کیونکہ اللہ کی قسم! جتنی مجھے اُس کی طلب ہے لوگوں میں سے کسی کو اتنی طلب نہیں ہے۔ (یا مجھ سے زیادہ اس کے لائق دوسرا کوئی نہیں ہے۔)

پھر علی (رضی اللہ عنہ) نے اسے (ام کلثوم کو) اُن (عمر) کے نکاح میں دے دیا۔ پھر عمر (رضی اللہ عنہ) مہاجرین کے پاس آئے تو کہا: کیا تم مجھے مبارکباد نہیں دیتے؟

انھوں نے پوچھا: اے امیر المومنین! کس چیز کی مبارکباد؟

تو انھوں نے فرمایا: فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ام کلثوم بنت علی (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ شادی کی مبارکباد... (المستدرک للحاکم ۳/۱۴۲ ح ۴۶۸۴ وسندہ حسن، وقال الحاکم: ''صحیح الاسناد'' وقال الذہبی: ''منقطع'' السیرۃ لابن اسحاق ص ۲۷۵۔۲۷۶ وسندہ صحیح)

علی بن الحسین بن ابی طالب رحمہ اللہ تک سند حسن لذاتہ ہے، جو کہ ائمہ اہلِ بیت میں سے تھے اور اُن کی یہ روایت سابقہ احادیثِ صحیحہ کی تائید میں ہے۔

۶: امام محمد بن علی بن الحسین الباقر ابوجعفر رحمہ اللہ نے فرمایا:

عمر نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اُن کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ مانگا تو علی نے فرمایا: میں نے اپنی بیٹیاں بنوجعفر (جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد) کے لئے روک رکھی ہیں تو انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ میرے ساتھ ان (ام کلثوم) کا نکاح کردیں کیونکہ اللہ کی قسم! روئے زمین پر میرے علاوہ دوسرا کوئی بھی اُن کی حسنِ معاشرت کا طلبگار نہیں ہے۔

پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' قد انکحتکها '' میں نے اُس کا نکاح تمھارے ساتھ کردیا... الخ

(سنن سعید بن منصور ۱/۱۴۶ ح ۵۲۰ وسندہ صحیح، طبقات ابن سعد ۸/۴۶۳)

۷: عاصم بن عمر بن قتادہ المدنی (ثقہ عالم بالمغازی) رحمہ اللہ نے فرمایا: عمر بن خطاب نے

علی بن ابی طالب سے اُن کی لڑکی ام کلثوم کا رشتہ مانگا، وہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ کی بیٹی تھیں...''فزوّجها إياه ''پھر انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے اس (ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کا نکاح اُن (عمر رضی اللہ عنہ) سے کردیا۔ (السیرۃ لابن اسحاق ص ۲۷۵ وسندہ حسن)

۸: محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''وتزوّج أمّ كلثوم ابنة علي من فاطمة ابنة رسول الله ﷺ عمر بن الخطاب فولدت له زيد بن عمر و امرأة معه فمات عمر عنها . ''

علی اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عمر بن الخطاب سے ہوا تو ان کا بیٹا زید بن عمر (بن الخطاب) اور ایک لڑکی پیدا ہوئے پھر عمر (رضی اللہ عنہ) فوت ہو گئے اور وہ آپ کے نکاح میں تھیں۔ (السیرۃ لابن اسحاق ص ۲۷۵)

۹: عطاء الخراسانی رحمہ اللہ نے کہا:

عمر (رضی اللہ عنہ) نے ام کلثوم بنت علی کو چالیس ہزار کا مہر دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ۸/۴۶۳۔۴۶۶)

اس روایت کی سند عطاء الخراسانی تک حسن ہے۔

۱۰: امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا:

''و أما أمّ كلثوم بنت علي فتزوّجها عمر بن الخطاب فولدت له زيد بن عمر .. ''اور ام کلثوم بنت علی سے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) نے شادی کی تو اُن کا بیٹا زید بن عمر پیدا ہوا... (تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۱/۳۴۲ وسندہ حسن)

ان کے علاوہ اہلِ سنت کی کتابوں میں اور بھی بہت سے حوالے ہیں جن سے ہمارے عنوان کا ثبوت ملتا ہے اور متعدد علماء نے اس کی صراحت کر رکھی ہے کہ ام کلثوم بنت علی کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ مثلاً دیکھئے

۱: التاریخ الاوسط للبخاری (۱/۲/۶۷ ح ۳۷۹، ص ۶۷۴ ح ۳۸۰، ۳۸۱)

۲: کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم (۳/۵۶۸)

۳: طبقات ابن سعد (۳/۲۶۵)

۴: کتاب الثقات لابن حبان (۲۱۶/۲)

اہلِ سنت کے درمیان اس مسئلے پر کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا۔

اب شیعہ امامیہ اثناعشریہ کی کتابوں سے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابوجعفر الکلینی نے کہا:

"حميد بن زياد عن ابن سماعة عن محمد بن زياد عن عبدالله بن سنان و معاوية بن عمار عن أبي عبد الله عليه السلام قال : ... إن علياً لما توفي عمر أتى أمّ كلثوم فانطلق بها إلى بيته ."

ابوعبداللہ (جعفر الصادق) علیہ السلام سے روایت ہے کہ... جب عمر فوت ہوئے تو علی آئے اور ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے۔ (الفروع من الکافی ۱۱۵/۶)

اس روایت کی سند شیعہ کے اصول سے صحیح ہے۔ اس کے تمام راویوں مثلاً حمید بن زیاد، حسن بن محمد بن سماعہ اور محمد بن زیاد عرف ابن ابی عمیر کے حالات مامقانی (شیعہ) کی کتاب: تنقیح المقال میں موجود ہیں۔

۲: ابوجعفر الکلینی نے کہا: "علي بن إبراهيم عن أبيه عن ابن أبي عمير عن هشام بن سالم و حماد عن زرارة عن أبي عبدالله عليه السلام في تزويج أم كلثوم فقال : إن ذلك فرج غصبناه"

ابوعبداللہ علیہ السلام (جعفر صادق رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے ام کلثوم کی شادی کے بارے میں کہا: یہ شرمگاہ ہم سے چھین لی گئی تھی۔ (الفروع من الکافی ۳۴۶/۵)

اس روایت کی سند بھی شیعہ اصول سے صحیح ہے۔ اس کے راویوں علی بن ابراہیم بن ہاشم القمی وغیرہ کے حالات تنقیح المقال میں مع توثیق موجود ہیں۔

تنبیہ: اہلِ سنت کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ اس سے بری ہیں۔

۳: ابوعبداللہ جعفر الصادق رحمہ سے روایت ہے کہ
جب عمر فوت ہوگئے تو علی نے آ کر کلثوم کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے گھر لے گئے۔
(الفروع من الکافی ۶/۱۱۵۔۱۱۶)

۴: ابوجعفر محمد بن الحسن الطّوسی نے ''الحسین بن سعید عن النضر بن سوید عن ہشام بن سالم عن سلیمان بن خالد '' کی سند کے ساتھ نقل کیا کہ ابوعبداللہ علیہ السلام (جعفر الصادق رحمہ اللہ) نے فرمایا: جب عمر فوت ہوئے تو علی علیہ السلام نے آ کر اُم کلثوم کا ہاتھ پکڑا پھر انھیں اپنے گھر لے گئے۔ (الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ۳/۴۷۲ ح ۱۲۵۸)

اس روایت کی سند بھی شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے صحیح ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم کے نکاح کا ذکر موجود ہے:

۵: تہذیب الاحکام (۸/۱۶۱، ۹/۲۶۲)
۶: الشافی للسید المرتضیٰ علم الھدیٰ (ص ۱۱۶)
۷: مناقب آل ابی طالب لابن شہر آشوب (۳/۱۶۲)
۸: کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ للأربلی (ص ۱۰)
۹: مجالس المؤمنین للنور اللہ الشوستری (ص ۷۶)
۱۰: حدیقۃ الشیعہ للاردبیلی (ص ۲۷۷)

نیز دیکھئے علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی عظیم کتاب: الشیعہ واھل البیت (ص ۱۰۵۔۱۱۰)
خلاصہ یہ کہ اہل سنت اور شیعہ (اثنا عشریہ) دونوں کی مستند کتابوں اور مستند حوالوں سے یہ ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا تھا اور اُن سے زید بن عمر بن الخطاب رحمہ اللہ بھی پیدا ہوئے تھے۔ آخر میں ایک عبرت انگیز واقعہ پیش خدمت ہے:

وزیر معز الدولہ احمد بن بویہ شیعہ تھا۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۹۰)

اس کی موت کے وقت ایک عالم اس کے پاس گئے تو صحابہ کرام کے فضائل بیان کئے اور فرمایا: بے شک علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عمر بن خطاب سے کیا تھا۔

اس (احمد بن بویہ) نے اس بات کو بہت عظیم جانا اور کہا: مجھے اس کا علم نہیں تھا پھر اس نے (توبہ کر کے) اپنا اکثر مال صدقہ کر دیا، اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا، بہت سے مظالم کی تلافی کر دی اور رونے لگا حتیٰ کہ اُس پر غشی طاری ہوگئی۔ (المنتظم لابن الجوزی ۱۴/۱۸۳ ت ۲۶۵۳)

اہلِ تشیع سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اس وزیر کی طرح توبہ کر لیں ورنہ یاد رکھیں کہ رب العالمین کے سامنے اپنے تمام اقوال و افعال کا جواب دہ ہونا پڑے گا اور اس دن اللہ کے عذاب سے چھڑانے والا کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور تمام صحابۂ کرام کے ساتھ علیہ السلام کے بجائے رضی اللہ عنہ یا رضی اللہ عنہا لکھنا چاہئے اور یہی راجح ہے۔ (۳/جنوری ۲۰۱۰ء)

کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

حافظ زبیر علی زئی

سیدنا ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا تو فرمایا: شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ تمھاری زمین میں اس کی عبادت کی جائے لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے علاوہ اُن اعمال میں اُس کی اطاعت کی جائے جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو، پس اے لوگو! ڈر جاؤ ((إني قد تركتُ فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدًا: كتاب الله و سنة نبيه صلی اللہ علیہ وسلم.))

میں تمھارے درمیان وہ چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: کتاب اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

ہر مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور کسی آدمی کا مال اس کی خوشی اور مرضی کے بغیر حلال نہیں ہے، ظلم نہ کرو اور میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے پھرو۔ (المستدرک للحاکم ۱/۹۳ ح ۳۱۸ وسندہ حسن)

تنبیہ: اس روایت کے راوی اسماعیل بن ابی اویس جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے میری کتاب: فضائل درود و سلام (ص ۴۰)

تنبیہ: سیوطی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (الجامع الصغیر:۶۷۴۱)
محمد ارشاد قاسمی دیوبندی نے اسے بحوالہ الجامع الصغیر ومجمع الزوائد نقل کر کے "بسند ضعیف" لکھا ہے (یعنی اس کی سند ضعیف ہے) لیکن اس غالی دیوبندی نے عربی عبارت (جس میں روایتِ مذکورہ پر جرح ہے) کا ترجمہ نہیں لکھا، دیکھئے "الدعاء المسنون" (ص۲۱۲ پسند کردہ مفتی نظام الدین شامزئی دیوبندی)
دیوبندی و بریلوی حضرات سخت ضعیف و مردود روایات عوام کے سامنے پیش کر کے دھوکہ دے رہے ہیں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہیں؟

خلاصۃ التحقیق:

نماز کے بعد، ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دعا کرنے کا کوئی ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین عظام رحمہم اللہ سے نہیں ہے۔ لہذا اس پر عمل سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔

وما علينا إلا البلاغ
(۱۹/صفر ۱۴۲۶ھ)

صحابی ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ پر ایک بہتان اور اس کا رد

سوال: قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾

ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ اپنے فضل سے، ہمیں (مال) دے گا تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور ضرور ہم صالحین میں سے ہوں گے۔ پس جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا کیا تو انہوں نے بخل کیا اور منہ پھیر کر اعراض کرتے ہوئے چلے گئے۔ پس اللہ کے ساتھ اس وعدہ خلافی اور ان لوگوں کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے اللہ نے قیامت تک ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ [سورہ التوبۃ: ۷۵-۷۷]
اس آیت کی تشریح میں تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہوا ہے کہ:

"یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لیے مالداری کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تھوڑا مال جس کا شکر ادا ہو اس بہت سے مال سے اچھا ہے جو اپنی طاقت سے باہر ہو۔ اس نے دوبارہ درخواست کی تو آپ نے سمجھایا: کیا تو اپنا حال اللہ کے نبی جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا؟ واللہ میں اگر چاہتا تو پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔ اس نے کہا: واللہ میرا ارادہ ہے کہ اللہ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب سخاوت کروں، ہر ایک کو اس کا حق ادا کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے

لیے مال میں برکت کی دعا فرمائی تو اس کی بکریوں میں اتنا اضافہ ہوا کہ مدینہ شریف اس کے جانوروں کے لیے تنگ ہو گیا۔

یہ (ثعلبہ بن حاطب) ایک میدان میں نکل گیا۔ ظہر وعصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا، باقی نمازیں اسے جماعت سے نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی تو اسے اور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے سب جماعتیں اس سے چھوٹ گئیں۔ مال بڑھتا گیا۔ ہفتے بعد جمعہ کے لیے آنا بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا؟
ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ آپ نے اظہار افسوس فرمایا۔

ادھر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کے مال سے صدقہ (زکوۃ) لے لو (سورہ توبہ:۱۰۳) اور صدقات کے احکام بھی بیان ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو زکوۃ اکٹھا کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور بنی سلیم کے فلاں آدمی سے صدقہ (زکوۃ) لے آؤ۔

یہ دونوں جب ثعلبہ کے پاس پہنچے اور فرمان رسول دکھایا تو یہ کہنے لگا: واہ واہ یہ تو جزیئے کی بہن ہے، یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ بنو سلیم والے آدمی نے تو اپنے بہترین جانور زکوۃ میں نکال کر ان دونوں آدمیوں کے حوالے کئے۔ مگر ثعلبہ نے زکوۃ ادا نہ کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ پر اظہار افسوس کیا اور بنو سلیم والے شخص کے لئے برکت کی دعا کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات (التوبہ: ۷۵۔۷۷) نازل فرمائیں۔ ثعلبہ کے ایک قریبی رشتہ دار نے جب یہ سب کچھ سنا تو ثعلبہ سے جا کر واقعہ بیان کیا اور آیت بھی سنائی۔ وہ آپ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے تو آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ (ثعلبہ) اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک اس کی کوئی چیز قبول نہ فرمائی۔ پھر بعد میں صدیق اکبر، عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی اس کی زکوۃ قبول نہ فرمائی۔

"پھر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگا منت سماجت کرنے لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفوں نے تیرا صدقہ قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کروں؟ چنانچہ قبول نہیں کیا۔ اسی اثناء میں یہ شخص ہلاک ہو گیا"

[تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۲ ص ۵۸۸، ۵۸۹، طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۳ء بتصرف یسیر) کیا یہ واقعہ صحیح سند سے ثابت ہے؟

تحقیق کر کے تفصیل سے جواب دیں، جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

الجواب:

تفسیر ابن کثیر میں یہ واقعہ بحوالہ تفسیر ابن جریر طبری (۱۰/۱۳۰، ۱۳۱) وتفسیر ابن ابی حاتم الرازی (۶/۱۸۴۷۔۱۸۴۹)
''معان بن رفاعة عن علي بن يزيد عن أبي عبد الرحمن القاسم بن عبدالرحمن عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه'' مذکور ہے۔ (ج ۳ ص ۴۱۶، ۴۱۷)

تفسیر ابن کثیر کے محقق جناب عبدالرزاق المھدی لکھتے ہیں:

''إسناده واه بمرة والمتن باطل .. وإسناده ضعيف جداً'' یہ انتہائی کمزور سند ہے اور یہ متن باطل ہے۔ اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ (حاشیہ تفسیر ابن کثیر ۳/۴۱۷)

اس کا راوی علی بن یزید الالھانی سخت ضعیف راوی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

''منكر الحديث'' (کتاب الضعفاء بتحقیقی تحفۃ الاقویاء ص ۷۹ ت ۲۶۲)

امام بخاری کے نزدیک اس شخص سے روایت حلال نہیں ہے جسے وہ ''منكر الحديث'' کہہ دیں (دیکھئے لسان المیزان ج ۱ ص ۲۰)

امام نسائی نے فرمایا: ''متروک الحديث'' (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۴۳۲)

متروک راوی کی روایت، بغیر تنبیہ کے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص ۳۸)

اس سند کا دوسرا راوی معان بن رفاعہ: لین الحدیث (یعنی ضعیف) ہے۔ (تقریب: ۶۷۴۷)

خلاصۃ التحقیق:

یہ روایت باطل اور مردود ہے۔ اس روایت پر تفصیلی جرح کے لئے عداب محمود الحمش کی کتاب ''ثعلبة بن حاطب ، الصحابي المفترى عليه'' دیکھیں (ص ۶۷ تا ۷۳)

تنبیہ: تفسیر ابن کثیر عربی میں ''ازلی منافق'' کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ اب اس روایت کے شواہد (تائید والی روایتوں) کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱: ''محمد بن سعد العوفي عن أبيه عن عمه عن أبيه عن أبيه عن ابن عباس'' کی سند سے ایک مختصر روایت اس کی مؤید ہے۔ [دیکھئے تفسیر طبری ۱۰/۱۳۰ وتفسیر ابن ابی حاتم ۶/۱۸۴۹ ح ۱۰۵۰۰]

اس روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نیچے سارے راوی ضعیف ہیں۔

(۱) محمد بن سعد العوفی ضعیف عندالجمہور ہے۔ (۲) سعد بن محمد بن الحسن العوفی جہمی (سخت گمراہ) ہے [دیکھئے لسان المیزان ۳/۱۹] کسی نے بھی اس کی توثیق نہیں کی (۳) سعد العوفی کا چچا الحسین بن الحسن بن عطیۃ العوفی ضعیف و مجروح ہے۔ [دیکھئے لسان المیزان ۲/۲۷۸] (۴) الحسن بن عطیۃ العوفی ضعیف ہے۔ [تقریب: ۱۲۵۶] (۵) عطیۃ العوفی ضعیف الحفظ و مدلس ہے۔ [دیکھئے طبقات المدلسین بتحقیقی: ۴/۱۲۲ ضعفہ الجمہور]

خلاصۃ التحقیق: یہ سند باطل ومردود ہے۔

۲: "ابن جرير الطبري قال: حدثنا ابن حميد قال: ثنا سلمة عن ابن إسحاق عن عمرو بن عبيد عن الحسن" إلخ (تفسیر طبری ۱۰/۱۳۳)

اس میں محمد بن حمید الرازی: "حافظ ضعيف ، وكان ابن معين حسن الرأى فيه" ہے (تقریب: ۵۸۳۴) ابن معین کی حسن رائے جمہور کی جرح کے مقابلے میں مردود ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار صدوق مدلس ہے اور روایت معنعن (عن سے) ہے۔ عمرو بن عبید المعتزلی: کذاب ہے۔ دیکھئے میری کتاب تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء للبخاری (ص ۸۱ ت ۲۶۹) وتہذیب التہذیب (۸/۷۰) ومیزان الاعتدال (۳/۲۷۳)

خلاصۃ التحقیق: یہ سند عمرو بن عبید کی وجہ سے موضوع ہے۔

۳: قتادہ تابعی سے روایت ہے کہ:

"ذكرلنا أن رجلاً من الانصار أتى مجلس من الأنصار فقال: لئن آتاه الله مالاً ليؤدين إلى كل ذي حق حقه فآتاه الله مالاً فصنع فيه ماتسمعون"

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایک انصاری آدمی انصاریوں کی مجلس میں آیا اور کہا: اگر اللہ مجھے مال دے تو میں ہر حق دار تک اس کا حق پہنچادوں گا۔ پس اللہ نے اسے مال دیا تو اس نے وہ کام کیا جو آپ سن رہے ہیں۔

[تفسیر طبری ۱۰/۱۳۱ من طریق سعید عن قتادۃ بہ]

اس میں سعید بن ابی عروبہ ثقہ مدلس ہے، دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۲/۵۰) وتقریب التہذیب (۲۳۶۵) لہذا یہ سند ضعیف ہے۔ قتادہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

تنبیہ: اس ضعیف روایت میں ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں ہے۔

۵: مجاہد تابعی سے روایت ہے کہ:

"رجلان خرجا على ملا قعود فقالا : والله لئن رزقنا الله لنصدقن ، فلما رزقهم بخلوا به"

دو آدمی ایک گروہ کے پاس سے گزرے جو بیٹھے ہوئے تھے تو ان دونوں نے کہا: واللہ اگر ہمیں اللہ رزق دے تو ہم ضرور صدقہ کریں گے۔ پس جب اللہ نے انہیں رزق دیا تو انہوں نے بخل کیا۔

[تفسیر طبری ۱۰/۱۳۲ وتفسیر ابن ابی حاتم ۶/۱۸۴۹ ح ۱۰۵۰۱ من حدیث ابن ابی نجیح عن مجاہد بہ]

اس روایت کا راوی عبداللہ بن ابی نجیح ثقہ مدلس ہے دیکھئے طبقات المدلسین بتحقیقی (۳/۷۷) وتقریب التہذیب (۳۶۶۲) لہذا یہ روایت ابن ابی نجیح کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ: اس ضعیف روایت میں بھی ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا نام موجود نہیں ہے۔

تحقیق کا خلاصہ: ان تمام روایات کی تحقیق کا نتیجہ اور خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ کے

بارے میں یہ قصہ بے بنیاد و باطل ہے جسے بعض قصہ گو حضرات مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس مردود قصے سے سیدنا ثعلبہ رضی اللہ عنہ بری ہیں۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق میں ثعلبہ بن حاطب الانصاری البدری رضی اللہ عنہ دوسرے صحابی ہیں اور ثعلبہ بن حاطب اور ابن ابی حاطب الانصاری، غیر البدری، رضی اللہ عنہ دوسرے صحابی ہیں۔ دیکھئے الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (طبع بیت الافکار ص ۱۵٦ ت ۹۷۰)

سجدۂ تلاوت سنت ہے یا واجب؟

سوال:

ا۔ قرآن مجید میں بعض ایسی آیات ہیں جن کی تلاوت پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ کیا یہ سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت؟

ب۔ قرآن مجید کی مکمل تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد اگر یہ سجدے اکٹھے بالترتیب ادا کر دیئے جائیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

ج۔ قرآن مجید میں سورہ حج کے آخر میں آیت نمبر ۷۷ کے باہر لکھا ہوا ہے کہ ''السجدۃ عند الشافعی'' یعنی امام شافعی کے نزدیک یہاں سجدہ تلاوت ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ قرآن مجید میں یہ شافعی و غیر شافعی والی بات کہاں سے آ گئی ہے؟

بینوا توجروا، (روایت خان۔ خالو، غازی)

الجواب:

ا: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

" أن النبي صلى الله عليه وسلم سجد بالنجم " بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی اور سجدہ کیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۷۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

" قرأت على النبي صلى الله عليه وسلم ﴿والنجم﴾ فلم يسجد فيها " میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ نجم پڑھ کر سنائی تو آپ نے سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح البخاری: ۱۰۷۳ و صحیح مسلم: ۵۷۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت کرنا واجب یا ضروری نہیں ہے۔ خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

" فمن سجد فقد أصاب و من لم يسجد فلا إثم عليه " پس جو (تلاوت والا) سجدہ کرے تو اس نے صحیح کام کیا اور جو سجدہ نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ [صحیح البخاری: ۱۰۷۷]

معلوم ہوا ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں بلکہ سنت و مستحب ہے۔ اور یہی قول امام شافعی و امام احمد کا ہے دیکھئے سنن

حافظ زبیر علی زئی

شیعیت کا مقدمہ اور جھوٹی روایات

الحمد للّٰه ربّ العالمین والصّلوٰة والسّلام علی رسوله الأمین و رضي اللّٰه عن أصحابه أجمعین و رحمة اللّٰه علی من تبعهم بإحسان : السلف الصالحین ، أما بعد:

سیدنا امام النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو یا صحابی کا اثر، سلف صالحین کی روایات ہوں یا کسی عالم وغیرہ کا منقول قول و فعل، اہلِ سنت کے نزدیک ہر روایت و منقول کے لئے صحیح و حسن یعنی مقبول متصل سند کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مشہور ثقہ امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:

" الإسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء . "

سندیں دین میں سے ہیں اور اگر سندیں نہ ہوتیں تو جو آدمی جو چاہتا وہ کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲ ، ترقیم دارالسلام: ۳۲ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا: **" لا تنظروا إلی الحدیث ولکن انظروا إلی الإسناد فإن صح الإسناد و إلا فلا تغترّ بالحدیث إذا لم یصح الإسناد . "** حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے) اگر سند صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۲/ ۱۰۲ ح ۱۳۰۱، وسندہ صحیح)

ضعیف و مردود اور بے سند روایات کا ہونا اور نہ ہونا ایک برابر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حبان نے فرمایا: **" لأن ماروی الضعیف و ما لم یرو : فی الحکم سیان "**

کیونکہ جو ضعیف روایت بیان کرے اور جس کی روایت ہی نہ ہو: دونوں حکم میں برابر ہیں۔

(المجروحین لابن حبان ج ۱ ص ۳۲۸ ، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۲ ترجمہ سعید بن زیاد)

اہلِ سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مقام ہے اور صحیحین

کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں، کیونکہ انھیں اُمت کی طرف سے متفقہ تلقی بالقبول حاصل ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۱۲۴۔۱۲۸، نوع اول) اور مقدمہ ابن الصلاح (مع التقیید والایضاح ص ۴۱۔۴۲، دوسرا نسخہ ص ۹۷، نوع اول)

صحیحین کے علاوہ ہر کتاب کی صرف وہی روایت اور حوالہ مقبول ہے، جس میں تین شرطیں ہوں:

۱: صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق عند جمہور المحدثین ہو۔

۲: کتابِ مذکور اپنے مصنف یعنی صاحبِ کتاب سے ثابت ومشہور ہو۔

۳: صاحبِ کتاب سے آخری راوی یا قائل وفاعل تک سند متصل ومقبول (صحیح یا حسن) ہو۔

اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو حوالہ بے کار ہے اور روایتِ مذکورہ ناقابلِ اعتماد و مردود ہے۔

اہلِ سنت کی اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی معتبر کتابیں مشہور ومعروف ہیں اور ان کے بغیر کسی کتاب مثلاً مسند احمد، سنن ترمذی، سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ وغیرہ کی روایات سے استدلال غلط ہے اور اُصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے سرے سے مردود ہے۔

اس تمہید کے بعد حسین الامینی صاحب (ایک شیعہ) کی کتاب: ''شیعیت کا مقدمہ'' سے دس (۱۰) جھوٹی اور مردود روایات پیشِ خدمت ہیں، جن سے امینی مذکور نے اہلِ سنت کی بعض کتابوں کے حوالے دے کر استدلال کیا ہے، حالانکہ مذکورہ کتابوں کے مصنفین نے اپنی ان کتابوں میں روایات کے صحیح ہونے کا التزام نہیں کیا اور نہ اصولِ حدیث واسماء الرجال کی رُو سے یہ روایتیں صحیح یا حسن ہیں، بلکہ اس کے برعکس موضوع، باطل اور مردود ہیں۔

۱) سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، پھر علی (رضی اللہ عنہ) تشریف لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''والذي نفسي بيده! إن هذا و شيعته هم الفائزون يوم القيامة ...''

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ (علی رضی اللہ عنہ) اور اُن کے شیعہ قیامت کے دن (جنت کے رفیع درجوں پر) فائز ہوں گے۔ الخ (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۰۔۵۱)

اس روایت کو امینی صاحب نے اپنے مخصوص ترجمے کے ساتھ کسی عبیداللہ امرتسری (؟) کی کتاب: ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب سے بحوالہ ابن عساکر، خوارزمی اور سیوطی (دُرِ منثور) نقل کیا ہے۔

سیوطی کی در منثور میں یہ روایت بحوالہ ابن عساکر مذکور ہے۔ (ج ۶ ص ۳۷۹، آخر سورۃ البینہ)

خوارزمی سے مراد اگر موفق بن احمد بن محمد بن سعید المکی خطیب خوارزم ہے تو یہ شخص معتزلی تھا۔ دیکھئے مناقب ابی حنیفہ للکردری (ج ۱ ص ۸۸)

خوارزمی مذکور کی توثیق ثابت نہیں اور نہ اس کی کتاب کا کوئی اتا پتا ملا ہے اور علمائے کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ اس کی کتاب (فضائل علی رضی اللہ عنہ) میں (بہت زیادہ) موضوع روایات ہیں۔

دیکھئے منہاج السنہ للحافظ ابن تیمیہ (۳/۱۰) اور المنتقیٰ من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲)

معلوم ہوا کہ خوارزمی کا بے سند حوالہ پیش کرنا بے کار و مردود ہے اور اُصولِ اہل سنت کے سراسر خلاف ہے۔

حافظ ابن عساکر کی کتاب: تاریخ دمشق (ج ۴۵ ص ۲۴۳) میں یہ روایت سند سے موجود ہے، لیکن کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: اس کا راوی ابو العباس ابن عقدہ چور تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۰۹ و سندہ صحیح)

ابن عقدہ کی توثیق کسی محدث سے ثابت نہیں اور امام دارقطنی نے فرمایا: وہ گندا آدمی تھا۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۲ و سندہ صحیح، لسان المیزان ج ۱ ص ۲۶۴ ت ۸۱۷)

ایسے راوی کی روایت مردود اور موضوع ہوتی ہے۔

۲: ابن عقدہ رافضی کا استاد محمد بن احمد بن الحسن القطوانی نامعلوم (مجہول) ہے۔

۳: قطوانی کا استاد ابراہیم بن انس الانصاری نامعلوم ہے۔

۴: انصاری کا استاد ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن مسلمہ نامعلوم ہے۔

مجہول راوی کی روایت موضوع ہونے کے لئے دیکھئے : حافظ ذہبی کی تلخیص المستدرک (۶۰/۳ ح ۴۳۹۹)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ روایتِ مذکورہ موضوع ہے، لہٰذا بغیر جرح کے اس کا بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

۲) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: " هو أنت و شيعتك يوم القيامة راضين مرضيين " وہ لوگ تم اور تمھارے شیعہ ہیں۔ قیامت کے روز خوش اور خوشنود کیے گئے۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۱ بحوالہ ابن مردویہ، ابونعیم فی الحلیہ، الدیلمی فی فردوس الاخبار اور السیوطی فی الدر المنثور)

در منثور (۳۷۹/۶) میں یہ روایت بحوالہ ابن عدی مذکور ہے۔

ابن مردویہ کی کتاب نامعلوم یعنی مفقود ہے، نیز یہ روایت الکامل لابن عدی، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اور الفردوس للدیلمی تینوں کتابوں میں نہیں ملی، لہٰذا یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: " هو كذب موضوع باتفاق أهل المعرفة بالمنقولات " روایات کے ماہرین کا اتفاق (اجماع) ہے کہ یہ روایت جھوٹی من گھڑت ہے۔

(منہاج السنۃ النبویہ ج ۴ ص ۷۰)

حافظ ذہبی نے فرمایا: " و إن كنا جازمين بوضعه " اور اگرچہ ہم بطورِ جزم اسے موضوع (جھوٹی من گھڑت روایت) سمجھتے ہیں۔ (المنتقیٰ من منہاج السنہ ص ۴۵۸)

خلاصہ یہ کہ اہلِ سنت کے نزدیک یہ روایت جھوٹی اور موضوع ہے، لہٰذا ابن عدی، ابن مردویہ یا کسی امرتسری کا نام لے کر اسے عوام کے سامنے بیان کرنا حرام ہے۔

۳) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: " ألم تسمع قول الله تعالى : ان الذين آمنوا و عملوا

الصّٰلحٰت اولٰئك هم خير البرية ؟ أنت و شيعتك و موعدكم الحوض ... "
یا علی! کیا تُو نے اللہ کے فرمان کو نہیں سنا کہ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ وہ لوگ تم اور تمھارے شیعہ ہیں۔ میرا اور تمھارا وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔" (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ ابن مردویہ، خوارزمی اور درمنثور)

ابن مردویہ کی کتاب مفقود ہے اور درمنثور (۳۷۹/۶) میں یہ روایت بحوالہ ابن مردویہ مذکور ہے، لہٰذا اس کی سند نامعلوم ہے۔

خوارزمی کے بارے میں دیکھئے حدیث سابق: ۱

خلاصہ یہ کہ یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

۴) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: " أبشر يا علي! أنت و شيعتك في الجنة "

یا علی! خوش ہو تُو اور تیرے شیعہ جنت میں ہوں گے۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ فخر الاسلام نجم الدین ابوبکر بن محمد بن حسین السمنلانی المرندی فی مناقب صحابہ)

نجم الدین سمنلانی مرندی کا کوئی اتا پتا معلوم نہیں اور اگر یہ واقعی کوئی قابلِ ذکر شخص تھا تو پھر اس سے لے کر سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا تک سند نامعلوم ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

امینی صاحب نے یہ چار موضوع روایات پیش کر کے لکھا ہے:

"مزید تفصیل دیکھنے کے خواہشمند ارجح المطالب ص ۶۵۷ تا ص ۶۵۹ طبع قدیم کی طرف رجوع کریں۔" (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲)

عرض ہے کہ کیا یہ چار موضوع اور جھوٹی روایتیں تھوڑی ہیں کہ لوگ عبید اللہ امرتسری (؟) کی ناقابلِ اعتماد اور خزینۂ موضوعات کتاب: ارجح المطالب کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں؟

ایسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کا کیا فائدہ؟ کہ آپ نے جس کی طرف خوب رجوع کر کے اس میں سے چار جھوٹی روایات کی شکل میں جو "مکھن" نکالا ہے، علمی میدان

اور اہلِ سنت کے اصول پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔

ہم آپ کو اور تمام مسلمانوں کو وصیت اور نصیحت کرتے ہیں کہ حق دیکھنے کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف رجوع کریں، اور ان شاء اللہ اس میں آپ لوگوں کا بہت فائدہ ہوگا، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال رہے۔

دوسری تمام کتابوں کی اسانید و متون کی اصولِ حدیث اور علمِ اسماء الرجال کی رُو سے تحقیق کرنے اور ثبوت کے بعد ہی اُن سے استدلال جائز ہے۔

۵) امینی صاحب نے کسی عبدالحسین (؟!) شرف الدین موسوی (شیعہ) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "پیغمبر اکرمؐ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ... یہ علیؓ نیکوکاروں کے امام اور فاجروں کو قتل کرنے والے ہیں۔ جس نے ان کی مدد کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مدد سے منہ موڑا اس کی بھی مدد نہ کی جائے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳، ص ۱۲۹ پر حضرت جابرؓ سے روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اسے درج نہیں کیا۔" (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۶۔۵۷)

عرض ہے کہ مستدرک کی تلخیص میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"بل واللہ موضوع، و أحمد كذاب..." بلکہ اللہ کی قسم! (یہ روایت) موضوع ہے اور احمد (بن عبداللہ بن یزید الحرانی) کذاب ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۹ ح ۴۶۴۴)

کیا امینی صاحب کو یہ جرح نظر نہیں آئی یا پھر دال میں کالا ہی کالا ہے۔؟!

ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن یزید المؤدب کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:

"كان بسُرّ من رأى يضع الحديث" وہ سرمن رأی (عراق کا ایک مقام) میں حدیث گھڑتا تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۱۹۵، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۶)

امام دارقطنی نے فرمایا: وہ عبدالرزاق وغیرہ سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، اس کی حدیث ترک کردی جائے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۰ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے الضعفاء والمتروکون للدارقطنی (ص ۱۲۸، ترجمہ ۶۸)

امام ابن عدی، امام دارقطنی اور حافظ ذہبی کی شدید جرح کے بعد یہاں حاکم کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۶) امینی صاحب نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: "أنت تبين لأمتي ما اختلفوا فيه من بعدي" میرے بعد میری اُمت اختلافات میں مبتلا ہوگی تو تم ہی راہِ حق واضح کروگے۔" اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۳، ص ۱۲۲ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کے بنائے ہوئے معیار پر صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اس کا ذکر نہیں کیا نیز دیلمی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال ج ۷ ص ۱۵۶ پر مذکور ہے۔"

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۷ حاشیہ)

عرض ہے کہ مستدرک کی اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

"بل هو فيما اعتقده من وضع ضرار ، قال ابن معين : كذاب " بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسے ضرار (بن صرد) نے بنایا ہے، ابن معین نے (اس کے بارے میں) فرمایا: جھوٹا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۲ ح ۴۶۲۰)

ابونعیم ضرار بن صرد الکوفی پر امام بخاری اور جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: کوفہ میں دو کذاب (جھوٹے) ہیں: ابونعیم النخعی اور ابونعیم ضرار بن صرد۔

(کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۴۶۵ وسندہ صحیح)

ضرار بن صرد کی اس روایت کو اس کی منکر روایتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کا یہ معیار ہرگز نہیں ہے کہ وہ کذاب راویوں کی روایات سے استدلال کریں، لہٰذا یہاں حاکم کی غلطیوں سے استدلال کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

تنبیہ: سیوطی کی بیان کردہ (کنز العمال ۱۱/۶۱۵ ح ۳۲۹۸۳) دیلمی والی روایت بھی ابونعیم ضرار بن صرد ہی سے ہے۔ دیکھئے مسند الفردوس (مخطوط مصور ج ۳ ص ۲/۱۳۵)

۷) انہی صاحب نے بحوالہ تاریخ طبری (اردو ج اص ۸۹) ایک روایت لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمام بنو ہاشم کے سامنے اعلان فرمایا:
" إن هذا أخي و وصي و خليفتي فيكم فاسمعوا له و أطيعوا " یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کی بات سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۶۱، ۱۶۲۔۱۶۴)

تاریخ ابن جریر الطبری کے ہمارے اصل عربی نسخے میں یہ روایت جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ پر ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری (رافضی) ہے، جس کے بارے میں امام ابوداود الطیالسی نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو مریم کذاب ہے، کیونکہ میں نے اس سے ملاقات کی ہے اور اس سے (احادیث کا) سماع کیا ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۳/۱۰۰۔۱۰۱، وسندہ حسن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: " و عامة حديثه بواطيل " اس کی عام حدیثیں باطل ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۵۳ وسندہ صحیح)

اس سند میں محمد بن حمید الرازی بھی سخت مجروح اور محمد بن اسحاق بن یسار مدلس ہیں، لیکن یہ روایت عبدالغفار بن القاسم کی وجہ سے موضوع ہے۔

۸) انہی صاحب نے لکھا ہے: "ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بہ تحقیق غدیر خم کے روز جناب رسالت مآب ﷺ نے لوگوں کو بلا کر درخت کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ وہاں سے کانٹوں کو جھاڑو سے دور کیا گیا۔ پھر آپؐ نے علیؑ کو بلوا کر ان کے دونوں بازو پکڑ کر اٹھائے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرتؐ کی بغل کی سفیدی کو ملاحظہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علیؑ مولا ہے۔ پھر ابھی لوگ متفرق نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ "آج کے روز میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کیا ہے اور میں نے اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا ہے۔ پس رسالت مآبؐ نے فرمایا: اللہ اکبر دین کے کامل ہو جانے اور نعمت کے پورا ہونے اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر خدا کے راضی ہونے پر۔"

(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۷۱، بحوالہ ارجح المطالب ص ۸۰، ابو نعیم و أبو بکر مردویه عنه و عن أبي هريرة ، و السیوطی فی الدر المنثور والدیلمی (صح) و أبو نعیم فیما نزل من القرآن في علي)

عرض ہے کہ اس روایت کی کوئی سند اہلِ سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے اور نہ ابونعیم و ابن مردویہ کی روایتوں کی اسانید کا علم ہو سکا ہے۔ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ در منثور (۳۹۸/۲) میں بھی نہیں ملی اور نہ دیلمی کی سند کا نام ونشان ملا ہے، لہٰذا یہ بے سند روایت موضوع ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صدیوں پہلے اس روایت کی سند پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ (ج ۴ ص ۱۵)

حافظ ذہبی نے اسے موضوع قرار دیا۔ دیکھئے المنتقیٰ من منہاج السنہ (ص ۴۲۵)

امتی صاحب اور اُن کے ساتھیوں سے درخواست ہے کہ ہمت اور کوشش کر کے کہیں سے اس روایت کی سند پیش کریں تا کہ راویوں کی تحقیق کی جا سکے اور اگر سند پیش نہ کر سکیں تو پھر اس بے سند موضوع روایت کو عوام الناس کے سامنے کیوں پیش کر رہے ہیں؟

اگر شیعہ کی کتابوں، مثلاً اصولِ کافی سے ہم کوئی ضعیف و مردود روایت پیش کر دیں تو کیا شیعہ اسے تسلیم کر لیں گے؟

فی الحال اُصولِ کافی کی دو روایتیں پڑھ لیں:

۱: ابو عبداللہ علیہ السلام (شیعہ کے نزدیک معصوم امام) سے روایت ہے کہ " إنّ العلماء ورثة الأنبياء و ذاك أن الأنبياء لم يورّثوا درهمًا ولا دينارًا ... "

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی... الخ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۲ باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء ح ۲)

اس کے راوی ابوالبختری وھب بن وھب کے بارے میں مامقانی (شیعہ) نے لکھا ہے:

" في غاية الضعف " یعنی بہت زیادہ ضعیف۔

(تنقیح المقال فی علم الرجال ج ۱ ص ۱۶۱، راوی نمبر ۱۲۷۰۹)

کیا خیال ہے شیعہ اصول کی رُو سے اس سخت ضعیف روایت کو شیعہ کے خلاف پیش

کرنا جائز ہے؟

۲: **اصولِ کافی کی ایک روایت (عن أبي عبد اللّٰہ علیہ السلام) کا خلاصہ یہ ہے** کہ جب نبی ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کے لئے دودھ نہیں تھا پھر آپ کو ابو طالب نے اپنی پستانوں پر ڈال دیا تو اللہ نے ان میں دودھ اُتار دیا، پھر آپ (ﷺ) اُس سے کئی دن تک دودھ پیتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے آپ کو حلیمہ سعدیہ سے ملاقات کر کے اُن کے حوالے کر دیا۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۴۴۸ کتاب الحجہ ابواب التاریخ باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ووفاتہ ح ۲۷)

اس کے راوی علی بن ابی حمزہ سالم البطائنی کے بارے میں اُصول کافی کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے: "**كذابٌ متهم ملعون روى الكشي في ذمه أخباراً كثيرة**"

کذاب متہم ملعون، کشی نے اس کی مذمت میں بہت سی روایتیں بیان کی ہیں۔ (ص ۴۴۸)

مامقانی نے کہا: "**قوي يؤخذ بخبره مالم يعارض الخبر الصحيح**"

وہ قوی ہے، اس کی خبر جب صحیح خبر کے معارض نہ ہو تو اُسے لیا جاتا ہے یعنی قبول کیا جاتا ہے۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۰۵، ت ۸۱۱۱)

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی فریق بھی کسی کے خلاف ایسی روایت ہرگز پیش نہ کرے جو اُس کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

یہاں پر بطورِ خیر خواہی اور اصلاح عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک قوم میرے ساتھ محبت کرے گی حتیٰ کہ وہ میری محبت (میں غلو) کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی اور ایک قوم میرے ساتھ بغض رکھے گی حتیٰ کہ وہ میرے بغض کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی۔

(فضائل الصحابہ للامام احمد ۲/۵۶۵ ح ۹۵۲ وسندہ صحیح، کتاب السنہ لابن ابی عاصم: ۹۸۳ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: "**يهلك في رجلان: مفرط غالٍ و مبغض قالٍ**" میرے بارے میں دو قسم کے آدمی ہلاک ہو جائیں گے: افراط کرنے والا غالی اور بغض رکھنے والا حجت باز۔ (فضائل الصحابہ ۲/۵۷۱ ح ۹۶۴ وسندہ حسن لذاتہ)

ان بیانات میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شیعہ اور خوارج ونواصب کی ہلاکت کی خبر دی ہے اور چونکہ ان روایتوں کا تعلق غیب سے ہے، لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہیں۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو عدد ۴۴ ص ۱۵۔۱۶

۹) امینی صاحب نے وحید الزمان حیدر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی دونوں سے ایک حدیث نقل کی کہ ''جو شخص مر جائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے، اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی'' (شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۰۔۱۹۱، واللفظ للاول)

وحید الزمان نے کہا: ''اگر چہ یہ حدیث اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں اس لفظ سے مذکور ہے، مگر حدیث کی کتابوں میں مجھے اس لفظ سے نہیں ملی۔''

امینی صاحب لکھتے ہیں: ''اس سے اس حدیث پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۱)

عرض ہے کہ کیوں اثر نہیں پڑتا؟ کیا بے سند روایت مردود نہیں ہوتی؟ کیا شیعہ کے خلاف بھی بے سند روایتیں پیش کرنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ یہاں عقائد کی کتابوں سے مراد بعض متاخرینِ اہلِ بدعت کی غیر مستند اور بے سند کتابیں ہیں جنھیں اہلِ سنت کے عقائد کی کتابیں قرار دینا غلط ہے۔

روایتِ مذکورہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

'' بل واللّٰہ ما قالہ الرسول ﷺ ھکذا '' بلکہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نہیں فرمایا ہے۔ (المنتقیٰ من منہاج السنہ ص ۲۸)

حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث کی سند کا مطالبہ کیا تھا۔ (دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۶)

مگر آج تک کوئی شیعہ یا غیر شیعہ اس کی سند پیش نہیں کر سکا اور یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ روایت مذکورہ موضوع ہے۔

۱۰) امینی صاحب نے عبدالحی لکھنوی صاحب سے نقل کیا ہے کہ '' عن معاذ ان رسول اللّٰہ ﷺ کان إذا قام فی الصلوۃ رفع یدیہ معالٓ أذنیہ فاذا کبر

ارسلهما (رواه الطبرانی) جناب معاذ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر بلند کرتے اور پھر انہیں کھلا چھوڑ دیتے۔'' (فتاویٰ شیخ عبدالحیٔ لکھنوی ج ا ص ۳۲۶ طبع اول، شیعیت کا مقدمہ ص ۲۳۶۔۲۳۷)

عرض ہے کہ یہ روایت طبرانی کی المعجم الکبیر (ج ۲۰ ص ۷۴ ح ۱۳۹) میں خصیب بن جحدر کی سند سے موجود ہے اور اس روایت کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا:

"رواه الطبراني في الكبير وفيه الخصيب بن جحدر وهو كذاب"

اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا اور اس میں خصیب بن جحدر (راوی) ہے اور وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲)

خصیب بن جحدر کے بارے میں امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: وہ جھوٹا تھا۔

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۳۳۲۷)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "الخصيب بن جحدر كذاب"

(کتاب الجرح والتعدیل ۳/۳۹۷ وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے اسماء الرجال کی اصل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

مختصر یہ کہ یہ روایت موضوع ہے۔

امینی صاحب کی کتاب ''شیعیت کا مقدمہ'' سے یہ دس جھوٹی اور من گھڑت روایتیں بطورِ نمونہ پیش کی ہیں، تاکہ اہلِ سنت کی آنکھیں کھل جائیں کہ اُن کے ساتھ کس کس طرح کے فراڈ کئے جا رہے ہیں اور قرآن و حدیث کا نام لے کر انھیں صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے کیا کیا جتن کئے جا رہے ہیں۔

یہ قطعاً کافی نہیں ہوتا کہ عبدالحیٔ لکھنوی نے لکھا ہے یا عبیداللہ امرتسری نے لکھا ہے، طبرانی نے روایت کیا ہے یا امام ترمذی نے روایت کیا ہے، یہ مسند احمد میں درج ہے یا تاریخ دمشق لابن عساکر میں درج ہے، وغیرہ وغیرہ، بلکہ ہر روایت اور ہر حوالے کا صحیح و ثابت ہونا ضروری ہے اور ایسا کام صحیح تحقیق کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

امینی صاحب نے کتابِ مذکور میں بہت سی ضعیف و مردود روایات بھی لکھی ہیں اور کئی غیر ثابت اور موضوع کتابوں سے بھی استدلال کیا ہے، مثلاً نہج البلاغہ کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھا بلکہ ان کی شہادت کے صدیوں بعد بغیر کسی سند کے شریف رضی نامی آدمی نے لکھا ہے، لہٰذا یہ ساری کتاب قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال للذہبی (۱۲۴/۳) سیر اعلام النبلاء (۵۸۹/۱۷۔۵۹۰)
لسان المیزان (۲۲۳/۴) اور کتب حذر منھا العلماء (ج ۲ ص ۲۵۰۔۲۵۷)

امینی صاحب نے شیعہ کتابوں مثلاً اصولِ کافی وغیرہ کے حوالوں میں بھی کسی تحقیق سے کام نہیں لیا، بلکہ شیعہ کے نزدیک بھی ضعیف و مجہول روایتیں لکھ کر اپنی کتاب کے صفحات بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

۱: امینی صاحب نے کہا: "امام جعفر صادقؒ بڑے واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:
من خالف كتاب الله و سنة محمدٍ فقد كفر
جس نے کتابِ خدا اور سنتِ محمدؐ کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (۱۷) "

(شیعیت کا مقدمہ ص ۲۱۳ بحوالہ الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۱ ص ۱۰۵، ج ۱ ص ۱۲۳)

روایتِ مذکورہ الکافی کے عربی نسخے میں صفحہ ۷۰ پر ہے اور اس کا بنیادی راوی "**بعض أصحابه**" یعنی ابن ابی عمیر کے ساتھیوں میں سے کوئی ہے جو کہ مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

دوسری روایت: "**ومن ترك كتاب الله و قول نبيه كفر**" (الکافی ۵۶/۱ ح ۱۰)

اس میں محمد بن ابی عبداللہ یعنی محمد بن جعفر بن عون الاسدی ہے جو کہ مجبرہ اور مشبہہ فرقوں میں سے تھا اور یونس بن عبدالاعلیٰ سے اُس کا یہ روایت سننا ثابت نہیں ہے بلکہ مامقانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی مرسل روایتیں حجت نہیں ہیں۔

(دیکھئے تنقیح المقال ج ۲ ص ۹۵ ت ۱۰۵۰۳)

یاد رہے کہ الفاظِ متن کا صحیح المعنی ہونا اس کی دلیل نہیں کہ قائل مذکور نے ضرور یہ الفاظ

کہے تھے یا کہے ہوں گے۔

۲: امینی صاحب نے لکھا ہے:

''اصول کافی میں ایک باب ہے جس میں امام کی صفات کا بیان ہے اس میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: الامام یحل حلال اللّٰہ و یحرم حرام اللّٰہ یعنی امام حلال کرتا ہے حلال خدا کو اور حرام کرتا ہے حرام خدا کو (۲۰)''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۲۱۱ بحوالہ الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲ ص ۶۱)

ہمارے نسخہ (مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، بازار سلطانی) میں ج ۱ کے صفحہ ۲۰۰ پر یہ روایت موجود ہے اور اس کا راوی ابو محمد القاسم بن العلاء مہمل (جس میں جرح و تعدیل نہ ہو یعنی مجہول الحال) ہے۔ دیکھئے تنقیح المقال (ج ۱ ص ۱۲۳ ت ۶۵۹۰)

قاسم بن العلاء سے عبدالعزیز بن مسلم تک سند بھی نامعلوم ہے۔

مختصر یہ کہ یہ دونوں روایتیں شیعہ اصول کی رُو سے بھی ضعیف ہیں، لہٰذا امینی صاحب نے انھیں پیش کر کے اہلِ سنت اور شیعہ دونوں گروہوں کو دھوکا دیا ہے۔

امینی صاحب نے ثابت شدہ اور ناقابل تردید حقیقتوں کا بھی انکار کیا ہے، مثلاً عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود اہلِ سنت اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے۔

امینی صاحب نے لکھا ہے:

''عبداللہ بن سبا کی فرضی شخصیت اور شیعوں کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈا''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۹۶)

حالانکہ عبداللہ بن سبا کی شخصیت فرضی نہیں بلکہ وہ تاریخ کا حقیقی کردار تھا اور یہ شیعوں کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا نہیں بلکہ حق اور سچ کا اظہار ہے، لہٰذا اُسے تاریخی غلط فہمی قرار دینا غلط ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سبا کو کالا خبیث کہا۔ (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ: ۱۳۹۸، وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام یعنی فتاویٰ علمیہ (ج ۱ص ۱۵۳۔۱۵۹)

امام ابوعبداللہ جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: عبداللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے، اُس نے امیرالمومنین (علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ الخ

(رجال کشی ص ۱۰۷، روایت نمبر ۱۷۲، وسندہ صحیح عند الشیعہ)

ہشام بن سالم، کشی اور ابومحمد حسن بن موسیٰ النوبختی وغیرہم نے اس کا ذکر کیا ہے، بلکہ مامقانی نے کہا: عبداللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی علیہ السلام نے جلا دیا تھا۔

(تنقیح المقال ج ۱ص ۱۸۹ راوی نمبر ۲۷ ۶۸)

امینی صاحب کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ اس قطعی الثبوت حقیقت کا انکار ڈاکٹر طہ حسین مصری وغیرہ گمراہوں نے شر القرون میں کیا ہے اور اس انکار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آخر میں اہلِ سنت بھائیوں کی خدمت میں درخواست ہے کہ ضعیف اور مردود روایات کو کلیتاً چھوڑ دیں بلکہ صحیح اور ثابت روایات کو اپنا منہج اور نصب العین بنائیں۔ اگر آپ نے یہ منہج اختیار کر لیا تو یاد رکھیں کہ آپ کے مقابلے میں تمام فرقے مثلاً خوارج، شیعہ، جہمیہ، مرجیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، نواصب اور منکرینِ حدیث وغیرہ ہمیشہ ناکام رہیں گے۔

ان شاء اللہ

ہر کتاب کو اُٹھا کر آنکھیں بند کر کے صاحبِ کتاب کے پیچھے نہ دوڑیں، بلکہ تحقیق کریں اور صحیح العقیدہ علمائے حق سے مضبوط تعلق اور رابطہ قائم کریں، کتاب وسنت یعنی قرآن وحدیث اور پھر اجماع وفہم سلف صالحین کو مدنظر رکھیں، سچائی کا راستہ اختیار کریں، حق اور اہلِ حق کے لئے الولاء (والہانہ محبت اور پیار) اور باطل و اہلِ باطل کے لئے البراء (بغض اور براءت) کا راستہ اپنائیں تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ ان شاء اللہ

انھی گذارشات پر آپ سے رخصت چاہتا ہوں۔ و ما علینا إلا البلاغ

(۱۴/ جولائی ۲۰۱۰ء)